لطائفِ صادق

یعنی

حضرت مفتی محمد صادق صاحب

کی

آپ بیتی

مرتبہ

شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

قیمت

ایک روپیہ چار آنے

لطائفِ صادق

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے حالات و واقعات

کا

نہایت دلچسپ اور پُر لطف مجموعہ

اور

ہندوستان۔ انگلستان اور امریکہ میں پیش آمدہ

نہایت لطیف تبلیغی لطائف

مرتبہ

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

پبلشر۔ حکیم عبداللطیف شہید منشی فاضل ادیب فاضل

تاجر کتب قادیان

۱۹۴۶ء

قیمت عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے وجود محترم کو جماعت احمدیہ میں جو پوزیشن حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوّلین صحابہ میں سے ہیں۔ اور آپ نے مسیح پاک کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں اور حضور علیہ السلام آپ کو نہایت ہی عزیز رکھتے تھے۔ مفتی صاحب کے متعلق حضرت اقدس کی کیا رائے تھی؟ اس کے معلوم کرنے کے لیے حضور کے مندرجہ ذیل الفاظ پڑھیں جو حضور کے قلم سے ۶ر اپریل ۱۹۰۸ء کے "البدر" میں شائع ہوئے ہیں:-

"ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن، جوان صالح، اور ہر ایک طور سے لائق جن کی خوبیوں کے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی۔"

حضرت اقدس کے وصال کے بعد حضرت خلیفۃ اوّل رضی اللہ عنہ آپ سے نہایت ہی شفقت اور محبت سے پیش آتے رہے۔ آپ ان کے شاگرد بھی تھے اور رشتہ دار بھی۔ خلافت اولیٰ میں حضرت مفتی صاحب نے تمام ہندوستان کا دورہ فرما کر ہر جگہ پیغام حق پہنچایا، اور نہایت دلنشین تقریروں کے ساتھ ہندوستان کی ہر قوم کو احمدیت کی دعوت دی۔

جب یہ دور بھی گذر گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا زمانہ آیا تو اس میں بھی حضرت

مفتی صاحب کی خدمات اسلام نہایت نمایاں نظر آتی ہیں۔ یہی وقت تھا جب آپ نے ایک فتح نصیب جرنل کی طرح نہایت کامیابی کے ساتھ انگلستان اور امریکہ میں تبلیغ کی اور سات سال تک اس مقدس کام میں مصروف رہنے کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے اور اس کے بعد سلسلہ کے دوسرے کاموں میں مشغول ہو کر شاندار خدمات انجام دیں۔ مختصر یہ کہ حضرت مفتی صاحب کی تمام زندگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خلفاء کی خدمت اور احمدیت کی اشاعت اور تبلیغ میں گذری اور آپ نے ہر موقع پر بڑی تندہی خوش اسلوبی اور قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔ الحمد للہ اس تمام طویل زمانہ میں:۔

(۱) جو لطائف مسیح پاک نے مفتی صاحب کے سامنے بیان فرمائے یا جو دلچسپ واقعات اُس مبارک زمانہ میں مفتی صاحب کے ساتھ پیش آئے۔

(۲) حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو لطائف آپ سے بیان کیے یا اُس وقت جو مزیدار واقعات مفتی صاحب کو پیش آئے یا مختلف لوگوں سے جو آپ کے دلچسپ مباحثے ہوئے۔

(۳) حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے دورِ خلافت میں آپ نے ہندوستان انگلستان اور امریکہ میں ہندوؤں، دہریوں، عیسائیوں اور یہودیوں سے جو بعض بہت ہی دلچسپ اور پر لطف مباحثے کیے یا بعض نہایت پر کیف لطائف آپ کے سامنے پیش آئے۔

یہ کتاب اُن سب کا مجموعہ ہے۔ مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ مفتی صاحب کی "تبلیغی سوانح عمری" ہے۔

جہاں تک میرا علم ہے یہ کتاب اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس وقت تک اس قسم کی کوئی تصنیف دیکھنے میں نہیں آئی جو کسی مبلغ اسلام کے تمام عمر کے تجربات

واقعات۔ اور مناظرات کا اتنا دلچسپ۔ اس قدر پرلطف اور ایسا فرید مجموعہ ہو۔

اس کتاب کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جہاں یہ احمدیوں کے لئے بیحد دلچسپ ہے۔ وہاں ہر فرقہ کے مسلمانوں میں سے تبلیغی اور مذہبی ذوق رکھنے والے اصحاب کے لئے بھی نہایت مفید ثابت ہو گی۔

آخر میں ناظرین کو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میں نے اس کتاب میں واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ مسلسل بیان نہیں کیا اور نہ چنداں اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ مقصود صرف واقعات کو جمع کر دینا تھا نہ کہ تاریخ لکھنا۔

میں اس عاجزانہ دعا کے ساتھ ان سطور کو ختم کرتا ہوں کہ یا اللہ! اپنے فضل سے اس کتاب کو مقبول بنا۔ اور اس سے زیادہ سے زیادہ احباب کو مستفید اور فیضیاب کر۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی
۱۹۴۳ء
المصنف قادیان

ا۔ چائے کی پیالی اور دس درخواستیں

ایک دن حضرت مفتی صاحب نے مجھے اپنے بچپن کا ایک بہت مزیدار لطیفہ سنایا۔ جو میں انھی کے الفاظ میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ مفتی صاحب نے فرمایا:۔
"جب میں چھوٹا بچہ تھا، چودہ پندرہ برس کا ہوں گا تو مجھے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کے لیے حضرت خلیفہ اول مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے پاس جموں بھیجدیا گیا جو وہاں اُن دنوں مہاراجہ کشمیر کے طبیب خاص تھے۔ حضرت حکیم صاحب نہایت فیاض۔ دریا دل۔ ہمدرد اور ملنسار بزرگ تھے۔ اور روزانہ ہی اُن کے ہاں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ کوئی تو کچھ پڑھنے یا سیکھنے کے لیے آتا تھا۔ کوئی طب حاصل کرنے کے لیے کوئی کسی سفارش اور نوکری کے لیے اور کوئی صحبت سے مستفید ہونے کے لیے۔ اور یہ سب حضرت حکیم صاحب کے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے۔ اس لیے آپ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ ایک روز کسی مقامی رئیس نے حضرت حکیم صاحب کی دعوت کی۔ جب کبھی آپ کسی کے ہاں دعوت میں جاتے تھے تو وہ لوگ بھی ساتھ ہوتے تھے جو کسی نہ کسی غرض سے آپ کے ہاں مقیم ہوتے تھے۔ چنانچہ اُس روز بھی آٹھ دس آدمی تھے۔ جب حضرت حکیم صاحب چلنے لگے تو دوسرے آدمیوں کے ساتھ مجھے بھی آپ نے اپنے ہمراہ لے لیا۔ حضرت حکیم صاحب مجھ سے بیحد محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے بیٹوں کی طرح رکھتے تھے۔ ان کے میرے ساتھ طرزِ عمل سے عام لوگ یہی سمجھتے تھے کہ میں ان کا بیٹا ہوں۔ خیر ہم سب دعوت میں پہنچے۔ رئیس صاحب نے معززین شہر کو بھی بلا رکھا تھا اور کھانے کا نہایت عمدہ انتظام کیا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد حسبِ دستور سب کے سامنے چائے آئی۔ میرے آگے بھی ایک پیالی رکھی گئی۔ میں حضرت حکیم صاحب کے

پاس بیٹھا ہوا تھا جب میں نے چائے کی پیالی اٹھا کر منہ سے لگائی اور ایک گھونٹ لیا تو معلوم ہوا کہ چائے نمکین ہے۔ اس سے پہلے مجھے نمکین چائے پینے کا کبھی اتفاق ہوا تھا۔ نہ میرے وہم میں کبھی یہ بات آئی تھی کہ چائے نمکین بھی ہوتی ہے اور نہ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ کشمیری کبھی میٹھی چائے نہیں پیتے۔ بلکہ وہ ہمیشہ نمکین چائے استعمال کرتے ہیں۔ جب میں نے دیکھا کہ چائے نمکین ہے تو ناواقفیت کی وجہ سے مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے خیال کیا کہ یہ میرے ساتھ مذاق کیا گیا ہے میں نے چائے کی پیالی فرش پر رکھدی اور غصہ میں بھر کر بیٹھ گیا حضرت حکیم صاحب فوراً تاڑ گئے کہ کیا قصہ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ "لو میاں مفتی صاحب یہ میری پیالی پیو" یہ کہہ کر آپ نے اپنی پیالی میری طرف سرکا دی۔ میں نے وہ پیالی ہاتھ میں لی ہی تھی کہ حضرت حکیم صاحب نے میرے والی پیالی اٹھائی اور اسے پینا چاہا۔ فوراً میں نے بڑے غصہ سے یہ بات کہی کہ "حضرت اسے نہ پیجئے گا۔ اس میں کسی نے نمک ڈال دیا ہے" میرے اس کہنے پر محفل میں بڑے زور کا قہقہہ پڑا اور سب لوگ بے تحاشا ہنسنے لگے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں۔ اب حضرت حکیم صاحب نے مسکرا کر کہا کہ "میاں یہاں تو نمک ساری پیالیوں میں پڑا ہوا ہے"۔ اس دن پہلی مرتبہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ کشمیری نمکین چائے پینے کے عادی ہیں۔ اور یہ معلوم ہونے پر مجھے اپنے فقرے پر بڑی شرم آئی۔ مگر اب تو میں کہہ چکا تھا۔

حضرت حکیم صاحب کا ذکر آگیا ہے تو برسبیل تذکرہ اس زمانہ کا حضرت حکیم صاحب کا ایک نہایت دلچسپ اور سبق آموز واقعہ بھی بیان کر دوں جو لطیفہ کا لطیفہ ہے اور نصیحت کی نصیحت۔

حضرت حکیم صاحب کا قاعدہ تھا کہ جو لوگ آپ کے پاس سفارش کے لئے آیا کرتے تھے آپ بالعموم ان کی سفارش کرتے تھے اور ان کو ٹالتے نہیں تھے لیکن

آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر شخص کی اُتنی ہی سفارش فرماتے تھے جتنی کا وہ شخص درحقیقت مستحق ہوتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس قسم کی دس درخواستیں آپ کے پاس سفارش کے لیے مختلف لوگوں کی جمع ہو گئیں۔ اُن دنوں مہاراجہ کے بھائی راجہ امر سنگھ تمام ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک اور وزیر اعظم تھے۔ اور حضرت حکیم صاحب کا بہت ادب اور لحاظ کرتے تھے۔ حضرت حکیم صاحب اُن کے پاس دسوں درخواستیں سفارش کے لیے لے کر گئے۔ جب پہلی درخواست پیش کی اور اسکی سفارش چاہی تو راجہ کہنے لگا کہ اس آدمی کے لیے تو ریاست میں کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی حضرت حکیم صاحب نے فوراً وہ درخواست الگ رکھ دی اور دوسری درخواست پیش کر دی۔ راجہ نے کہا یہ شخص اس کام کے لیئے موزوں نہیں ہے۔ حضرت حکیم صاحب نے بغیر کسی رنجیدگی کے تیسری درخواست راجہ کے سامنے رکھ دی۔ راجہ نے کہا کہ اس جگہ تو ہم ایک آدمی کا تقرر کر چکے ہیں۔ حکیم صاحب نے چوتھی درخواست پیش کر دی۔ راجہ نے اُس پر بھی کوئی عذر کر دیا۔ اور حکیم صاحب نے بڑی متانت اور نہایت تحمل کے ساتھ پانچویں درخواست پیش کر دی غرض اسی طرح حکیم صاحب درخواستیں پیش کرتے رہے اور راجہ مسترد کرتا رہا۔ جب اس نے آٹھویں درخواست بھی مسترد کر دی اور حکیم صاحب نے نویں درخواست نکالی تو راجہ نے کہا "حکیم صاحب آپ آٹھ درخواستیں پیش کر چکے ہیں اور میں اُن کو مسترد کر چکا ہوں۔ اگر یہ نویں درخواست بھی نامنظور کر دوں تو آپ کیا کریں گے؟" حضرت حکیم صاحب نے بڑی ہی متانت سے جواب دیا کہ "پھر میں دسویں درخواست پیش کروں گا۔" راجہ اس بے ساختہ جواب پر ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا کہ اچھا حکیم صاحب اس کی وجہ بتائیے کہ باوجود اس قدر نازک مزاج اور خود دار ہونے کے پے درپے میری درخواستوں کے نامنظور کرنے پر آپ کو غصہ کیوں نہیں آیا؟" حکیم صاحب نے نہایت حکیمانہ انداز میں فرمایا "اس لیے کہ

میں نے خیال کیا کہ اگر پہلے شخص کا کام نہیں بن سکا تو شاید دوسرے کا بن جائے اگر دوسرے کا نہیں بن سکا تو شاید تیسرے کا بن جائے۔ اور اسی طرح آخر تک خیال کرتا گیا کہ شاید دسویں آدمی کا کام بن جائے۔ میں نے سوچا کہ میری خودداری اور وقار کو صدمہ پہنچنے سے اگر کسی حاجتمند کا کام بنتا ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں خاموش رہا"۔

حضرت حکیم صاحب کی اس تقریر سے راجہ نہایت متاثر ہوا اور اس نے دسوں کی دسوں درخواستیں منظور کر لیں۔

۲۔ صوفی ترقی کر کے کیا بنتا ہے؟

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب نے ۶ مئی ۱۹۰۹ء کے بدر میں ایک لطیفہ شائع کیا۔ حضرت خلیفۃ اولؓ کی سرسید سے خط و کتابت تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے اُن کو خط لکھا کہ "جاہل علم پڑھ کر عالم بنتا ہے۔ اور عالم ترقی کر کے حکیم ہو جاتا ہے۔ حکیم ترقی کرتے کرتے صوفی بن جاتا ہے۔ مگر جب صوفی ترقی کرتا ہے تو کیا بنتا ہے؟"

اس کا جواب سرسید نے یہ دیا کہ "وہ نرا لاین بنتا ہے"۔

۳۔ کڑوی دوائی کا خوف

ایک دفعہ حضرت اقدس کی زندگی میں مفتی صاحب کے ساتھ بڑا مزے کا لطیفہ ہوا۔ مفتی صاحب لاہور سے آئے تو حضور نے اپنے پاس ہی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں مفتی صاحب کو ٹھیرایا۔ اور بڑی محبت کے ساتھ اُن کی خاطر تواضع کی

اُن دنوں اتفاقاً قادیان میں خارش کی کچھ شکایت تھی۔ حضور نے ایک دوائی مصفی خون تیار کی اور باہر آکر اُس کا ذکر فرمایا۔ حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ ہر بات میں حضرت صاحب کے ساتھ شریک ہو جایا کرتے تھے۔ سنتے ہی کہنے لگے "حضور مجھے بھی خارش کی شکایت ہے۔ تھوڑی دوائی میں بھی پیوں گا۔"

حضرت اقدس نے فرمایا "اچھا"۔

اب اتفاق سنیے کہ مفتی صاحب کے سینے میں بھی کچھ خارش معلوم ہوتی تھی۔ آپ نے بھی حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور کچھ خفیف خارش کی شکایت مجھے بھی ہے۔" مگر یہ نہ کہا کہ "دوائی پیوں گا" بلکہ یہ عرض کیا کہ "حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس تکلیف سے نجات دے"۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے گھر میں سے ایک پیالہ بھرا ہوا دوائی کا مولوی عبدالکریم صاحب کو بھیجا۔ جب وہ پینے لگے تو معلوم ہوا کہ یہ تو بہت کڑوی دوا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم کڑوی دوا سے سخت پرہیز کرتے تھے اور کبھی نہ پیتے تھے بڑے گھبرائے۔ حلق تک سب کڑوا ہو گیا۔ انھوں نے فوراً وہ پیالہ اُس آدمی کے ہاتھ پر رکھا جو لایا تھا۔ اور فرمانے لگے "نہ بھائی۔ میں باز آیا ایسی دوائی سے۔ حضرت صاحب سے کہو کہ مجھے کڑوی دوائی ہرگز نہیں چاہیے"۔

اب سنیے آگے کی کہانی۔ اس بات کو ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ حضرت اقدس اس کمرہ میں تشریف لائے جہاں مفتی صاحب ٹھیرے ہوئے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیالہ بھرا ہوا تھا۔ اور آتے ہی فرمانے لگے "لو مفتی صاحب یہ آپ کے لیے ہے"۔

مفتی صاحب مولوی عبدالکریم کا واقعہ دیکھ چکے تھے۔ بڑے گھبرائے کہ یہ تلخ پیالہ مجھے بھی پینا پڑے گا۔ (مفتی صاحب بھی کڑوی دوائی نہیں پیتے) خیر پیالہ تو

مفتی صاحب نے حضرت اقدس کے ہاتھ میں سے لے لیا مگر اس فکر میں ہوئے کہ حضور اندر تشریف لے جائیں تو دوائی کو ادھر اُدھر کردوں۔

اتنے میں حضرت اقدس فرمانے لگے "مفتی صاحب! آپ یہ پی لیں تو میں خالی پیالہ گھر میں لے جاؤں"۔

اب تو مفتی صاحب کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ بغیر اس تلخ پیالہ کے پیئے نجات ممکن نہیں۔ نہ انکار کیے بن پڑتی ہے نہ پیالہ پینے ہی کی ہمت ہے۔ ناچار مفتی صاحب نے آنکھیں بند کرلیں اور نہایت ہی مجبوری کے ساتھ پیالہ منہ سے لگا لیا۔ اور نہایت جلدی جلدی پینا شروع کیا۔ جب آدھے سے زیادہ پی چکے تو معلوم ہوا کہ یہ تلخ پیالہ نہیں بلکہ میٹھا ہے۔ اس پر مفتی صاحب کو اتنی خوشی ہوئی کہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ "حضور یہ تو میٹھا ہے"۔

اس پر حضور بہت ہنسے اور فرمایا کہ "یہ خارش کی دوائی نہیں۔ چونکہ آپ دماغی محنت کرتے ہیں اس لیے میں نے آپ کے لیے یہ شیرہ بادام بنایا ہے"۔

۴۔ بہت ضروری بات

جلسہ سالانہ ۱۹۲۵ء کے موقع پر "ذکر حبیب" کا بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے مندرجہ ذیل مزیدار لطیفہ سنایا:۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک انگریز قادیان میں آیا۔ گھوڑے پر سوار تھا اور آکر کہنے لگا کہ میں گورداسپور کا سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں۔ اور مجھے مرزا صاحب سے بہت ضروری ملنا ہے۔ خیر ہم نے ایک چبوترے پر دو کرسیاں بچھا دیں اور اس سے کہا تشریف رکھیے۔ اور پھر حضرت صاحب کو خبر دی۔ حضور علیہ السلام

تشریف لائے اور دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اب اس انگریز نے کہا کہ "مجھے آپ سے ایک بہت ہی ضروری بات پوچھنی ہے"۔ حضرت اقدس نے فرمایا "پوچھیے"۔ اس پر اُس انگریز نے جیب میں سے اپنی نوٹ بک نکالی۔ اور کہنے لگا "بہت ہی ضروری بات ہے۔ ابھی بتلاتا ہوں" یہ کہہ کر نوٹ بک کی ورق گردانی کرنے لگا۔ ورق گردانی کرتا رہا اور کہتا رہا۔ بہت ہی ضروری بات ہے۔ بیحد ضروری ہے محض اس بات کے پوچھنے کے لیے میں آیا ہوں۔ حضرت اقدس نے متبسم ہو کر فرمایا ہاں تو پھر پوچھیے۔ میں تو آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ ساری نوٹ بک کی اُس نے ورق گردانی کر لی" اور یہی کہتا رہا بہت ہی ضروری بات ہے۔ جب اسے وہ بات نہ ملی تو پھر دوبارہ ورق گردانی شروع کی۔ مگر بے سود۔ لیکن بار بار یہ بھی ضرور کہہ رہا تھا کہ بہت ہی ضروری بات ہے۔ جب تلاش کرتے کرتے تھک گیا تو کہنے لگا کہ بات تو بہت ضروری تھی۔ مگر ملتی ہی نہیں۔ اچھا مرزا صاحب اب ہم جاتا ہے۔ سلام۔ یہ کہا۔ ہیٹ سر پہ رکھی۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ اور پھر کبھی نہیں آیا۔

۵۔ حضرت مسیح موعود کا سب سے پیارا مرید

حضرت مفتی صاحب نے حسب ذیل بہت ہی عجیب لطیفہ جلسہ سالانہ ۱۹۲۹ء کے موقعہ پر سنایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک مرتبہ حضرت صاحب کے گھر میں مستورات کے درمیان اس امر پر گفتگو ہونے لگی کہ حضرت اقدس کو اپنے مریدوں میں سب سے پیارا کون ہے؟ کسی عورت نے کسی کا نام لیا اور کسی نے کسی کا

کسی ایک شخص پر سب عورتوں کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ حضرت اُم المومنین نے فرمایا کہ میرے خیال میں تو حضرت صاحب کو سب سے پیارے مولوی نورالدین ہیں۔ اور اس کا امتحان بھی میں تم سب عورتوں کو ابھی کرائے دیتی ہوں۔

اُس وقت حضرت صاحب علیحدہ کمرے میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے حضرت ام المومنین عورتوں کے مجمع میں سے اٹھیں اور کہنے لگیں کہ میں حضرت صاحب کے پاس جاکر یہ بات ایک ترکیب سے پوچھتی ہوں تم باہر کھڑی ہو کر سنتی رہنا تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ حضرت صاحب کو سب سے زیادہ پیارا کون سا مرید ہے؟

.. عورتوں سے یہ کہہ کر حضرت ام المومنین حضور اقدس کے پاس کمرہ میں تشریف لے گئیں اور حضور کو مخاطب کر کے فرمانے لگیں کہ "آپ کے جو سب سے زیادہ پیارے مرید ہیں وہ" اتنا فقرہ کہہ کر حضرت ام المومنین چپ ہو گئیں۔ اس پر حضرت اقدس نے نہایت گھبرا کر پوچھا "مولوی نورالدین صاحب کو کیا ہوا جلدی بتاؤ"۔ اس پر حضرت ام المومنین ہنسنے لگیں۔ اور فرمایا "آپ گھبرائیں نہیں۔ مولوی نورالدین صاحب اچھی طرح ہیں۔ میں تو آپ کے منہ سے یہ بات کہلوانا چاہتی تھی کہ آپ کے سب سے پیارے مرید کونسے ہیں۔ چنانچہ آپ نے وہ بات کہدی۔ اب میں جاتی ہوں۔ آپ اپنا کام کریں۔"

۶۔ "میں بھی خوشخط لکھ سکتا ہوں"

حضرت مفتی صاحب نے حضرت اقدس کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ حضرت مولوی شیر علی صاحب کے قلم سے بطور گواہ لکھوا کر ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے الفضل میں شائع کرایا ہے۔ جسے ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

جن دنوں مارٹن کلارک والا مقدمہ تھا ان ایام میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک مضمون بطور جواب دعویٰ خود تحریر فرمایا۔ اس مضمون کو خوش خط لکھوا کر حضور کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا گیا۔ حضور نے پڑھا تو اس میں ایک جگہ ل لکھنے سے رہ گیا تھا۔ حضور قلم لے کر ل بنانے لگے تو مرزا ایوب بیگ مرحوم نے عرض کیا "حضور ذرا ٹھہریں اس ل کو بھی خوش خط لکھوا لیا جائے گا"۔

چونکہ حضور کی تحریر عام طور پر شکستہ تھی اس لیے مرزا ایوب بیگ صاحب نے سمجھا کہ حضور ل بھی شکستہ ہی لکھیں گے۔

مرزا ایوب بیگ صاحب کا مطلب حضور سمجھ گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا "میں بھی خوش خط لکھ سکتا ہوں"۔ یہ کہہ کر آپ نے اُس جگہ ل لکھ دیا جو نہایت خوبصورت تھا۔

۷۔ ایک عجیب اور دلچسپ پادری

۱۹۱۹ء میں جبکہ حضرت مفتی صاحب اور قاضی عبداللہ صاحب لندن میں تبلیغ اسلام کر رہے تھے تو ایک روز ریلوے سٹیشن پر ان دونوں صاحبان کو ایک بہت ہی عجیب اور دلچسپ پادری صاحب سے واسطہ پڑا۔ جو پر لطف گفتگو پادری صاحب کی مفتی صاحب اور قاضی صاحب سے ہوئی وہ سننے کے قابل ہے۔

پادری صاحب:۔ (حضرت مفتی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر) آپ کا نام کیا ہے؟

صادق۔ میرا نام محمد صادق ہے۔

پادری صاحب۔ او محمدؐ۔ محمدؐ صادق۔ محمدؐ۔ آپ محمدؐ کو مانتے ہیں؟ نجات تو یسوع مسیح کو ماننے میں ہے جو پھانسی پا گیا۔

صادق۔ جب وہ خود ہی پھانسی پا گیا تو کسی اور کو کیا نجات دلائے گا۔
خود ڈوبنے والا دوسروں کو کیا بچائے گا۔ محمدؐ خود بھی پار گیا اوروں کو بھی ساتھ لے گیا
پادری صاحب۔ مگر یسوع نے اپنے لیے ایسا چاہا کہ پھانسی ملے۔
صادق۔ جس کی نیت اپنے ہی لیے ایسی تھی وہ کسی اور کا کیا بھلا کرے گا
محمدؐ نے اپنا اور سب کا بھلا کیا۔
اس پر پادری صاحب نے جو حضرت مفتی صاحب کے برجستہ جواب سے
بہت بوکھلا گئے تھے۔ مفتی صاحب کو چھوڑ کر قاضی صاحب کی طرف توجہ کی اور
فرمانے لگے "آپ کا کیا نام ہے؟"
قاضی صاحب۔ میرا نام ہے محمد عبداللہ۔
پادری صاحب۔ او محمدؐ یہ بھی محمدؐ۔ وہ بھی محمدؐ۔ دونوں محمدؐ۔ یسوع خدا ہے
اسے کیوں نہیں مانتے؟
قاضی صاحب۔ جو عورت کے پیٹ میں نو مہینے پڑا رہا۔ ایسے محدود
خدا کو کس طرح مانیں؟ اور ...... ابھی قاضی صاحب یہیں تک کہنے پائے
تھے کہ پادری صاحب نے گھبرا کر کہا۔ "ہماری گاڑی کا وقت ہو گیا ہے اب مجھے فوراً
جانا چاہیے"۔ یہ کہہ کر بے تحاشا بھاگے۔ مگر کچھ ایسے حواس باختہ ہو گئے کہ کبھی اس پلیٹ
فارم پر جاتے کبھی اُس پر۔ لندن سٹیشن پر پلیٹ فارم بہت سے ہیں۔ مگر سب کے
راستے ایک بڑے مسافر خانے میں کھلتے ہیں۔ جیسے کلکتہ کے پلیٹ فارم ہیں پادری
صاحب ایک راستہ سے جا کر دوسرے راستہ سے باہر نکل آئے اور مایوسانہ لہجہ میں
کہنے لگے "آپ کے ساتھ باتیں کرنے میں میں گاڑی سے رہ گیا۔ اور گاڑی چھوٹ گئی
صادق۔ دیکھیے یسوع نے آپ کی کچھ مدد نہ کی۔
پادری صاحب۔ اُس کی مرضی۔ وہ لیتا ہے۔ وہ دیتا ہے۔

صادق۔ اس کی مرضی تو آپ کے حق میں کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ کیا آپ نے یسوع کو کبھی دیکھا بھی ہے؟

پادری صاحب۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ خدا کی طرف توجہ کیجیے۔

صادق۔ میں نے الحمدللہ مسیح کو بھی دیکھا اور خدا کی طرف بھی متوجہ ہیں۔ آپ بھی صرف ایک خدا کو مانیں۔ جب نجات ملے گی۔

قاضی صاحب۔ میں نے اس کو دیکھا جو یسوع مسیح سے بھی بڑا ہے۔ اور سات سال تک اس کے ساتھ رہا ہوں۔

یہ سنتے ہی پادری صاحب پھر بھاگنے لگے اور فرمانے لگے کہ قریب ایک اگلا سٹیشن ہے۔ وہاں سے شاید ریل مل جائے۔ غرض ادھر اُدھر پھر کر پادری صاحب پھر وہیں آگئے۔

صادق۔ اچھا اپنا نام و پتہ لکھوائیے۔

پادری صاحب۔ میرا نام جان ہے۔

صادق۔ وہی جان جو یسوع کا مرشد تھا اور اس نے یسوع کو بپتسمہ دیکر گناہوں سے صاف کیا تھا۔

پادری صاحب۔ نہیں نہیں۔ وہ مجھ "جان" سے بڑا تھا۔ میں جاتا ہوں۔ میں جاتا ہوں...... یہ کہہ کر فوراً چل دیے۔

۸۔ قرآن میں نہ ہی حدیث میں ہی دکھاؤ

حضرت شیخ جیلانیؒ کے ساتھ لوگوں نے بدسلوکی کی

حضرت مفتی صاحب کسی ضرورت سے ڈیرہ غازی خان تشریف

ے گئے۔ وہاں ایک روز آپ نے ایک عزیز کے ساتھ بازار گئے تو وہاں ایک شخص سے
جو اپنی قوم کا سرگروہ اور باثر آدمی تھا۔ مٹ بھیڑ ہو گئی۔ اس کا نام میوہ تھا۔ جب
میوہ کو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب احمدی ہیں تو اس بھلے مانس نے بے تحاشا گالیاں
دینی شروع کیں۔ اور کہنے لگا کہ ہماری قوم کا ایک آدمی بھی مرزائی ہو گیا تھا۔ ہم نے
تو اس کو فوراً ذات سے خارج کر دیا۔ بھلا چوہڑے اور کافر کے ساتھ ہمارا کیا تعلق؟

اس پر حضرت مفتی صاحب نے نہایت نرمی سے اسے کہا کہ جب تک خدا کسی کو
خارج نہ کرے اُس وقت تک آپ کے خارج کرنے سے کیا بنتا ہے؟ حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے مکہ سے خارج کر دیا تھا۔ اُن کو کیا نقصان پہنچا؟
پھر جس قدر بزرگ اور اولیاء اللہ امت میں گذرے ہیں ان میں سے اکثر کے ساتھ
اُس وقت کے مولویوں اور ملانوں نے یہی سلوک کیا۔ مگر خدا کے پیاروں کا
کوئی شخص کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ
وغیرہ کے ساتھ نام کے علماء نے بدسلوکی کی۔ مگر وہی لوگ مٹ گئے اور ان بزرگوں
کے نام اب تک زندہ اور روشن ہیں۔

جب حضرت مفتی صاحب نے حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا تو میوہ
نے فوراً اُن کے نام پر اپنی انگلیوں کو بوسہ دیا اور پھر اُن کو اپنی آنکھوں پر پھیر لیا۔
اور کہنے لگا" بالکل غلط اور جھوٹ ہے کہ اُن کے ساتھ ایسا سلوک ہوا۔ اگر سچے
ہو تو دکھاؤ قرآن شریف میں کہاں لکھا ہے؟

حضرت مفتی صاحب کو اس شخص کی اس جہالت پر بے اختیار ہنسی آگئی کہ اس
کی اپنی واقفیت کا تو یہ حال ہے کہ حضرت شیخ جیلانیؒ کے تاریخی حالات کی سند
قرآن شریف سے مانگتا ہے اور احمدیوں کی مخالفت میں اس درجہ جوش دکھاتا
ہے کہ گویا اُن کے جھوٹا ہونے کو خدا کے ہاں سے پوچھ آیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے ساتھ جو صاحب تھے اُنھوں نے میوہ کو سمجھایا کہ شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ قرآن شریف نازل ہونے کے بہت بعد ہوئے ہیں۔ لہذا ان کا ذکر قرآن شریف میں کہاں ہوتا؟۔ اس پر میوہ کہنے لگا۔ "چھوڑ د جھگڑے کو۔ اگر قرآن میں نہیں دکھا سکتے تو پھر حدیث ہی میں دکھا دو۔

یک نہ شد دو شد۔ جہالت بھی عجیب مصیبت ہے۔ ابھی حضرت مفتی صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا تھا کہ میوہ کے ساتھ جو آدمی تھے اُن میں سے ایک کہنے لگا:۔
"ابھی ان مرزائیوں سے کیا بات کرنی۔ ان کی تو جو بات ہے دنیا جہان سے نرالی ہے۔ یہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے"۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "ہم نہیں کہتے بلکہ قرآن کہتا ہے یعنی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" اب تم تھانے کے محرر سے پوچھ لو۔ پٹواری سے دریافت کر لو کہ توفی کون ہوتا ہے۔

اس پر ایک صاحب کہنے لگے "میاں قرآن کو کیا پیش کرتے ہو۔ اس سے تو خارجی۔ شیعہ۔ سنی سب دلیل پکڑتے ہیں"۔

صادق۔ اچھا اگر تم لوگ قرآن شریف سے دلیل لینا پسند نہیں کرتے تو تم خود ہی بتلاؤ کہ فیصلہ کس طرح ہو۔

مفتی صاحب کے اس فرمانے پر میوہ بول اٹھا کہ "جس طرف زیادہ آدمی ہوں وہی راہ ٹھیک ہوتی ہے"۔

حضرت مفتی صاحب نے فوراً فرمایا کہ "اگر یہی صداقت کا معیار ہے تو پھر یورپ میں عیسائی بہت زیادہ ہیں۔ اور مسلمان بہت تھوڑے۔ تو کیا اس اصل کے تحت وہ عیسائی حق اور صداقت پر ہوں گے؟

میوہ۔ عیسائی اگر یورپ میں زیادہ ہیں تو ہوا کریں۔ ہمیں اُن سے کیا ہم تو

اپنے ملک کی بات کرتے ہیں (اپنے ملک سے مراد اس کی صرف ڈیرہ غازیخاں کا علاقہ تھا)

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ خدا کے لیے اس بات کو نہ دیکھو کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں ہندو زیادہ ہیں، کیا وہاں کے مسلمان حق پر نہیں ؟

اسی پر بات ختم ہوئی اور حضرت مفتی صاحب آگے چلے گئے

جب یہ اوپر کا واقعہ میں نے حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کو سنایا تو وہ برسبیل تذکرہ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ ایک شیعہ نواب صاحب نے بڑے فخر سے ایک قلمی قرآن شریف دکھایا اور کہا کہ "یہ خاص مولا علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے" میں نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر کہا کہ "واقعی نہایت عجیب اور بڑی قابل قدر چیز ہے اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے آج کل قرآن شریف دنیا میں موجود ہیں"۔ اس پر ایک صاحب جو اتفاق سے اُس وقت وہاں بیٹھے تھے کہنے لگے "جی ہاں بے شک یہ قرآن مجید بہت پرانا اور تیرہ سو برس کا لکھا ہوا ہے مگر جناب میرے دادا صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں ایک ورہ یوسف کی بنی تھی وہ اٹھارہ سو برس کی پرانی تھی"۔ اس پر میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا "تو جناب وہ معجزہ اور بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر ہوگی"۔

۹۔ دولتمند اور خدا کی بادشاہت

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ جماعت احمدیہ شملہ نے دہلی میں ایک تبلیغی جلسہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور حضرت خلیفہ اول سے درخواست کی کہ قادیان سے دو تین علماء جلسہ میں تقریر کرنے کے لیے بھیج دے جاویں حضور

خلیفۂ اول نے جن علماء کو شملہ بھیجا اُن میں حضرت مفتی صاحب بھی تھے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب مع اپنے ساتھیوں کے شملہ پہنچے اور جلسہ میں شامل ہوئے۔ اُنہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک روز ایک احمدی دوست کو ہمراہ لے کر جو مفتی صاحب باہر سیر کے لیے نکلے تو اُس دوست نے کہا کہ "مفتی صاحب یہاں کے گرجا میں ابھی چرچ آف انگلینڈ کے ایک بڑے پادری صاحب آئے ہوئے ہیں، آج چل کے ان سے کچھ مذہبی گفتگو کیجیے۔ گرجا تھوڑی دور ہے اور آپ کو زیادہ مسافت طے نہیں کرنی پڑیگی اگر آپ اُن انگریز پادری صاحب سے گفتگو کرنا چاہیں تو میں آپ کو وہاں لے چلوں" حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "کیا مضائقہ ہے۔ اچھا ہے تبادلۂ خیالات ہو جائیگا"

خیر دونوں کے دونوں گرجا میں جا پہنچے۔ جو پاس ہی تھا۔ پادری صاحب جو انگریز تھے بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:-

"جناب پادری صاحب کیا میں آپ سے کوئی مذہبی سوال کر سکتا ہوں"؟

پادری صاحب۔ (نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ) ہاں بڑے شوق سے آپ جو چاہیں پوچھیں۔

صادق۔ قبل اس کے کہ میں اصل سوال کروں۔ مہربانی کر کے مجھے بتلائیے کہ آجکل دنیا میں سب سے امیر اور دولتمند لوگ کس ملک میں رہتے ہیں؟

پادری صاحب۔ (ہنس کر) یہ سوال تو معمولی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ آجکل سب سے زیادہ دولتمند امریکہ اور یورپ کے لوگ ہیں۔

صادق۔ اب مہربانی کر کے ساتھ کے ساتھ یہ بھی بتا دیجیے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا عام مذہب کیا ہے؟

پادری صاحب۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات نہیں۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ

یورپ اور امریکہ کے لوگ عیسائی ہیں۔

صادق - میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے میرے دونوں سوالوں کے نہایت صحیح جواب دیئے۔ اس تمہید کے بعد اب میں اصل سوال آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ متی کی انجیل کے انیسویں باب آیت ۲۳، ۲۴ میں لکھا ہے کہ

"اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔"

اب میں آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب سارا یورپ اور تمام امریکہ دولتمند اور کروڑپتی عیسائیوں سے بھرا پڑا ہے۔ تو یسوع کے قول کے مطابق یہ لوگ آسمانی بادشاہت میں کس طرح شامل ہو سکتے ہیں اور جب نہیں شامل ہو سکتے تو پھر ان کی نجات کا کیا ذریعہ ہے اور کس طرح وہ بہشت میں داخل ہوں گے؟

پادری صاحب - یہاں یسوع کا مطلب "دولتمند" سے یہ نہیں ہے کہ بہت زیادہ روپیہ پیسے والا۔ بلکہ ایسے لوگوں سے مراد ہے جو دولت سے دل لگاتے ہیں اور مذہب کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

صادق - پادری صاحب! کیا آپ براہ نوازش مجھے بتلا سکتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے لاکھوں دولتمندوں میں سے کس قدر نیک سیرت لوگ ایسے ہیں جو دولت رکھنے کے باوجود دولت سے دل نہیں لگاتے اور وہ مذہب کی ... کیا کرتے ہیں۔

پادری صاحب - میرا خیال ہے ایسے تھوڑے سے ہی ہوں گے

شاید ۵۰ فی صدی ہوں۔ مگر نہیں اتنے بھی نہیں ہوں گے۔ شاید ۲۵ فی صدی ہوں۔ مگر نہیں یہ نسبت بھی زیادہ ہے۔ شاید ۱۰ یا ۱۲ فی صدی ہوں۔ (کچھ سوچ کر) غالباً اتنے بھی نہیں ہوں گے۔ شاید ۵ فی صدی ہوں۔ مگر نہیں۔ ٹھیریئے۔ ہمارے ہاں ایک دیسی پادری صاحب بطور مہمان آئے ہوئے ہیں وہ انجیل اور توریت کے بڑے فاضل اور نہایت عالم آدمی ہیں۔ میں اندر جا کر ان کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ امید ہے کہ وہ آپ کے سوال کا تسلی بخش جواب آپ کو دے سکیں گے۔

یہ کہہ کر انگریز پادری صاحب فوراً اٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ اور اندر سے تھوڑی دیر کے بعد ایک دیسی پادری صاحب جو پہلے کوئی سکھ یا ہندو ہوں گے باہر آ گئے۔ اور فرمانے لگے کہ "آپ نے ہمارے پادری صاحب سے کیا سوال کیا تھا؟ ذرا مہربانی فرما کر پھر سے اسے دہرا دیجیے۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے وہ ساری گفتگو دہرائی جو اُن میں اور انگریز پادری صاحب میں ہوئی تھی اور پھر فرمایا کہ انجیل کے اس حوالے سے جو میں نے ابھی آپ کو سنایا، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دولتمند چونکہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یورپ اور امریکہ کے لاکھوں دولتمندوں میں سے کوئی ایک شخص بھی بہشت میں نہیں جا سکے گا"

حضرت مفتی صاحب کی بات سن کر وہ دیسی پادری صاحب جو بظاہر بہت سنجیدہ اور متین معلوم ہوتے تھے اور خاصے سن رسیدہ تھے منہ بنا کر فرمانے لگے "اگر یورپ اور امریکہ کے کروڑپتی بہشت میں نہیں جا سکتے تو جائیں جہنم میں مجھے کیا پرواہ ہے"

اور اندر تشریف لے گئے۔

۱۰۔ جواب ہو تو ایسا

۱۰ مئی ۱۹۴۶ء کو جمعہ کی نماز کے بعد مہمان خانہ میں حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہاں پوری کے پاس بیٹھے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے ولایت کا ایک بڑا ہی مزیدار لطیفہ سنایا جو قارئین کرام کے تفننِ طبع کیلیے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

لندن میں ایک صاحب حیثیت شخص کے پاس کتابوں کا معقول ذخیرہ تھا۔ آدمی چونکہ نفیس طبع اور شوقین مزاج تھے اس لیے بڑی خوبصورتی اور صفائی اور احتیاط کے ساتھ اپنی کتابوں کو رکھتے تھے۔ ساری کتابیں مضمون وار بہت قرینے سے الماریوں میں رکھی تھیں۔ اور ساری الماریاں ایک مخصوص کمرہ میں رکھی ہوئی تھیں مطالعہ کے لیے کمرہ میں کرسیاں اور صوفے پڑے ہوئے تھے۔ میز پر قلم، دوات اور کاغذ سب چیزیں موجود تھیں۔ اور ان سب کی روزانہ صفائی کا بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ گرد کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ روزانہ صفائی ہوتی رہے تو گرد کیوں ہو؟

ان صاحب کے ایک دوست تھے اُن کو اتفاق سے کسی کتاب کی ضرورت پڑی۔ جو ان کے پاس تھی۔ وہ آئے اور کہنے لگے کہ چند دن کے لیے وہ کتاب دیدیں۔ دیکھ کر واپس کر دوں گا۔

انھوں نے کہا جناب میں نے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ کسی بھی حالت میں کوئی کتاب کسی کو نہ دوں۔ اس لیے اپنے اصول سے مجبور ہوں۔ کمرہ میں بیٹھ کر جو کتاب آپ چاہیں شوق سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور جب تک چاہیں دیکھ سکتے

ہیں۔ کوئی آپ کے کام میں حارج نہیں ہو گا۔ گھر پر کتاب دینے سے معذور ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔ اور میری صاف گوئی پر بُرا نہ مانیں گے۔

اس پر وہ صاحب جو کتاب مانگنے گئے تھے اپنا سا منہ لے کر چلے آئے۔ اُن کو اس انکار پر غصہ تو بہت آیا۔ مگر کرتے بھی کیا زہر درویش برجان درویش چپ ہو کر بیٹھ رہے۔

کچھ دن کے بعد اتفاقاً لائبریری والے صاحب کو اپنے باغیچہ کی گھاس تراشنے کے لیے مشین کی ضرورت ہوئی۔ اور تو کہیں سے ملی نہیں، اُس دوست کے پاس تھی جسے انھوں نے کتاب دینے سے انکار کیا تھا۔ اس پر انھوں نے ان صاحب کو ایک رقعہ لکھا کہ "میرے باغیچہ کی گھاس بہت بڑی بڑی ہو گئی ہے۔ اور میرے پاس گھاس کاٹنے کی مشین موجود نہیں۔ میں نہایت شکر گذار ہوں گا اگر آپ ازراہ نوازش دو تین روز کے لیے اپنی مشین مجھے بھیج دیں۔ ضرورت رفع ہونے پر فوراً واپس بھیج دوں گا۔"

اس رقعہ کا جواب ان کو یہ ملا:-

"جناب میں نے اپنا اصول بنا رکھا ہے کہ گھاس کاٹنے کی مشین کسی بھی حالت میں کسی شخص کو کبھی نہ دوں۔ اس لیے میں اپنے اصول سے مجبور ہوں۔ ہاں میرے باغیچہ میں آپ جب چاہیں نہایت شوق سے تشریف لائیں۔ اور جب تک چاہیں باغیچہ کی گھاس کاٹتے رہیں۔ باغیچہ میں رہ کر آپ بہت شوق سے مشین کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ہرگز کوئی آپ کے کام میں حارج نہیں ہو گا۔ گھر پر مشین بھیجنے سے معذور ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے اور میری صاف گوئی پر بُرا نہیں مانیں گے۔"

۱۱۔ قصر نماز کی انوکھی ضرورت

حضرت مفتی صاحب نے حضرت مسیح موعود کا ایک نہایت دلچسپ لطیفہ سنایا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ضلع سیالکوٹ کے کسی پیروں کے خاندان کے تین اصحاب حضرت خلیفہ اول سے علاج کرانے کے لیے قادیان آئے اور حضور کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اُن میں سے ایک حضور سے پوچھنے لگا کہ قصر نماز کا مسئلہ کس طرح ہے؟

حضور۔ آپ کو قصر نماز کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟

پیر صاحب۔ ہم اپنے مریدوں میں جایا کرتے ہیں جو مختلف دیہات میں پھیلے ہوئے ہیں اس واسطے سفر کرنا پڑتا ہے۔

حضور۔ (مسکرا کر) ایک پیر صاحب تھے وہ اپنے ایک مرید کے پاس گاؤں میں گئے۔ مرید بچارا بہت غریب تھا اور اس کے پاس اتنا نہ تھا کہ پیر صاحب کی خدمت میں نذرانہ پیش کر سکے۔ پیر صاحب کی آمد کی خبر سن کر غریب ایک کھیت میں جا چھپا اور ساری رات وہاں چھپا رہا۔ صبح کو اس نے خیال کیا کہ اب پیر صاحب چلے گئے ہوں گے۔ لہذا گھر چلنا چاہیے مگر جب وہ گھر آرہا تھا تو گلی میں پیر صاحب مل گئے۔ اور کہنے لگے "لاؤ ہماری نذر"۔ مرید کہنے لگا حضور اگر آپ کو اپنی نظر دیدوں تو خود کس طرح دیکھوں؟ پیر صاحب کہنے لگے "ہم تو روپیہ مانگتے ہیں"۔ غریب مرید نے عرض کی کہ حضور میرے پاس روپیہ ہوتا تو ساری رات کھیت میں کیوں چھپا رہتا۔

یہ دلچسپ اور سبق آموز کہانی سنا کر حضرت اقدس نے اُن صاحب سے کہا کہ اگر آپ اپنے گھر میں بیٹھے ۔ میں تو جو کچھ آپ کی قسمت کا ہے وہیں گھر بیٹھے پہنچ جائے گا اور اس طرح نہ آپ کو نمازیں قصر کرنے کی ضرورت پیش آئے گی نہ رزق کی تنگی رہے گی ۔

۱۲۔ مناسے پر سے چھلانگ

۱۹۱۰ء یا اس کے قریب کا واقعہ ہے کہ مفتی صاحب گوڑ گانوہ کسی تبلیغی ضرورت کے لئے گئے ۔ اور ایک احمدی دوست کے ہاں ٹھہرے جو انسپکٹر آبکاری تھے ۔ انسپکٹر صاحب کا لڑکا مفتی صاحب سے کہنے لگا کہ ایک پادری صاحب میرے ملنے والوں میں سے ہیں ۔ وہ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ " اگر تمھارا کوئی عالم یہاں آئے تو مجھ سے ضرور ملوانا " چونکہ اتفاق سے اس وقت آپ تشریف لے آئے ہیں لہٰذا اگر فرمائیں تو میں اُن کو بلا لاؤں ؟ " مفتی صاحب نے کہا کہ " کیا مضائقہ ہے بلا لیں " چنانچہ دوسرے دن صبح کو جب مفتی صاحب ناشتہ کر رہے تھے پادری صاحب تشریف لے آئے ۔ خیر چائے سے ان کی تواضع کی گئی ۔ اور اس کے بعد سلسلۂ کلام شروع ہو گیا ۔

پادری صاحب فرمانے لگے " مفتی صاحب ! آپ مرزا غلام احمد صاحب کو خدا کا مسیح سمجھتے ہیں ؟

صادق ۔ بے شک ہم حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا مسیح موعود یقین کرتے ہیں ۔

پادری صاحب ۔ آپ کے پاس مرزا صاحب کے نبی ہونے کی کیا

دلیل ہے؟ وہ پیش کریں۔

صادق۔ دیکھیے پادری صاحب! دنیا میں مختلف خیال اور مختلف عقیدہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا معیارِ تحقیق بھی مختلف ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں کسی امر کی صداقت کے لیے کوئی دلیل پیش کردوں اور آپ کے نزدیک وہ بالکل فضول ہو۔ اس صورت میں کسی معاملہ کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لیے میں آپ کی خدمت میں ایک بہت ہی آسان شکل پیش کرتا ہوں جس سے بہت سا جھگڑا بڑی آسانی سے طے ہوجائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ آخر آپ بھی ہماری طرح ایک شخص کو مسیح مانتے ہیں۔ اور اس کی سچائی کی بھی آپ کے پاس دلیلیں ہوں گی۔ پس جو دلیل بھی آپ اپنے یسوع کے مسیح ہونے کی پیش فرمائیں میں انشاءاللہ ویسی ہی دلیل حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسیح ہونے کی پیش کردوں گا۔ چلیے جھگڑا ختم ہوا۔ ابھی دو منٹ میں فیصلہ ہوجاتا ہے۔

اس پر پادری صاحب فرمانے لگے کہ "اوہ! یسوع کی سچائی کی تو بہت سی دلیلیں ہیں"۔

صادق۔ میں مانتا ہوں کہ یقیناً ہوں گی۔ بس ان "بہت سی" میں سے آپ ایک دلیل بیان فرمادیں۔

پادری صاحب۔ یسوع کی صداقت سے تو ساری انجیل بھری پڑی ہے۔

صادق۔ میں تسلیم کیے لیتا ہوں کہ ایسا ہی ہے مگر اس بھری ہوئی انجیل میں سے صرف ایک دلیل چاہتا ہوں۔

بحث میں دیر لگ گئی۔ مگر پادری صاحب کو کوئی تسلی بخش دلیل نہ سوجھتی تھی آخر کچھ دیر کے بعد سوچ سوچ کر فرمانے لگے کہ "دیکھیے میں ایک بہت عمدہ دلیل پیش کرتا ہوں، آپ ویسی ہی دلیل اپنے کہنے کے مطابق مرزا صاحب کی صداقت

کی پیش کریں۔

صادق۔ ارشاد ہو۔ میں بہت غور سے سن رہا ہوں۔

پادری صاحب۔ دیکھیے متی باب ۴ آیت ۶ تا ۱۱ میں لکھا ہے:-

"ابلیس اسے (یعنی یسوع کو) مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اُس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ:-

وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا
اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے
ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر کی ٹھیس لگے۔

یسوع نے اس سے کہا
یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر
اس کے بعد یسوع نے اُس سے کہا
اے شیطان دور ہو

تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آ کر اس کی خدمت کرنے لگے۔"

یہ بیان کر کے پادری صاحب نے بڑے فخر سے کہا "مفتی صاحب! یہ دلیل ہے ہمارے یسوع کے مسیح ہونے کی۔ کیا آپ کے مرزا صاحب کے پاس بھی کبھی شیطان نے آ کر ایسی بات پیش کی ہے؟ بتلائیے اور جواب دیجیے۔"

مفتی صاحب مسکرائے۔ اور انھوں نے جواب دیا "پادری صاحب! مجھے مطلق پتہ نہیں تھا کہ آپ اپنے یسوع کی صداقت کی کیا دلیل پیش کریں گے۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ بہت ممکن ہے آپ کوئی ایسی انوکھی بات پیش کر دیں جس میں غور کرنے اور سوچنے کی کافی ضرورت پڑے۔ لیکن میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے جو دلیل پیش کی

ہے۔ بالکل وہی کی وہی دلیل مجھے خدا نے حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیجیے سنیے اور غور فرمایئے:۔

"۱۸۹۷ء کا واقعہ ہے کہ ایران سے ایک شیعہ مجتہد ہندوستان آئے۔ اور لاہور میں قیام کیا۔ اُن کا نام شیخ محمد رضا طہرانی نجفی تھا۔ وہ شیعوں کے بڑے عالم تھے۔ لاہور پہنچ کر انھوں نے حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت میں ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بات بھی لکھی کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو لاہور آئیں اور یہاں کی شاہی مسجد کے ایک منارہ پر وہ چڑھ جائیں ایک پر میں چڑھ جاؤں اور پھر دونوں نیچے چھلانگ لگائیں۔ ہم دونوں میں سے جو سچا ہوگا وہ بچ جائے گا۔ جو جھوٹا ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اگر مرزا صاحب واقعی مسیح موعود ہیں تو لاہور آئیں اور اپنی صداقت کا امتحان پبلک کے سامنے دیں۔

لاہور کے شیعہ اس اشتہار پر بڑے خوش ہوئے اور انھوں نے وہ اشتہار حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھجکر مطالبہ کیا کہ اس اشتہار کے جواب میں اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیے آپ فوراً لاہور آئیں اور شیخ نجفی کا مقابلہ کریں۔

اس پر حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یکم فروری ۱۸۹۷ء کو فارسی میں ایک اشتہار شائع کیا جس میں فرمایا کہ یہ مطالبہ نہایت مضحکہ خیز ہے۔ اور ہرگز قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ صداقت دلائل سے ثابت کی جاتی ہے نہ کہ منارہ پر سے چھلانگ لگا کر۔ لیکن اس بات کو علیحدہ رکھ کر مطالبہ سے بھی میری صداقت ہی طرح ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ شیخ نجفی صاحب نے یہ مطالبہ کر کے خود ہی مجھے مثیل مسیح مان لیا ہے۔ یعنی جو مطالبہ شیخ نجفی آج مجھ مسیح محمدی سے کر رہے ہیں بالکل یہی مطالبہ آج سے انیس سو سال پہلے مسیح اسرائیلی سے شیخ نجدی

(شیطان) نے کیا تھا۔ اُس وقت جو جواب مسیح اسرائیلی نے شیخ نجدی کو دیا تھا۔ بالکل وہی جواب میں مسیح محمدی آج شیخ نجفی کو دیتا ہوں۔ انجیل میں وہ جواب پہلے ہی سے لکھا ہوا موجود ہے۔ وہاں پڑھ لیں اور پھر سوچ لیں کہ شیخ نجفی نے اپنے آپ کو اس مقابلہ کی دعوت میں کس کا مثیل ٹھہرایا؟

مفتی صاحب کی یہ تقریر سن کر پادری صاحب حیران ہو گئے۔ اور ان کو کوئی جواب بن نہ آیا۔ فرمانے لگے کہ اس وقت اجازت چاہتا ہوں۔ فرصت ہوئی تو پھر حاضر ہوں گا۔ مفتی صاحب نے کہا "بہتر ہے"۔ مگر پھر پادری صاحب نہیں آئے۔"

۱۳۔ شراب کی بجائے پانی پر ٹیکس

حضرت مفتی صاحب نے ۲۷ر اگست ۱۹۲۶ء کے الفضل میں شذرات کے عنوان سے کچھ دلچسپ اور مفید نوٹ لکھے ہیں۔ انہی میں یہ مزیدار لطیفہ بھی بیان کیا جو بڑا ہی مضحکہ خیز ہے۔ سنیئے:۔

میونچ ملک آسٹریا میں ایک شہر ہے۔ آبادی چھ لاکھ کے قریب ہے۔ وہاں کی بیئر شراب مشہور ہے۔ نہایت کثرت کے ساتھ بنائی جاتی اور خوب پی جاتی ہے۔ شہر کی بہبودی اور ترقی اور فلاح عام کے کسی کام کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی۔ میونسپل کمیٹی کے پاس روپیہ کی کمی تھی۔ اس لیے کمیٹی میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ بیئر شراب پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ اس طرح جس قدر رقم کی ضرورت ہے وہ جمع ہو جائے گی اور قرض لینا نہیں پڑے گا۔ کمیٹی میں بڑا گرما گرم مباحثہ ہوا اور بالآخر تمام ممبران کے اتفاق سے یہ بات طے ہوئی کہ شراب تو نہایت اہم شے اور ضروریات زندگی میں سے ایک لازمی چیز ہے۔ اُس پر ٹیکس لگانا ہرگز مناسب

نہیں البتہ پانی پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ چنانچہ پانی پر ٹیکس لگا دیا گیا۔ جو باشندوں نے خوشی خوشی ادا کر دیا۔ اور اس طرح پندرہ لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔

یورپ میں شراب نوشی کی جس قدر کثرت ہے اس کا نہایت دلچسپ نمونہ ایک خبر کے طور پر ۲۹ رجون ۱۹۴۶ء کے روزنامہ پرتاپ لاہور میں شائع ہوا ہے ناظرین کی تفنن طبع کے لیے ہم اسے ذیل میں درج کرتے ہیں :-

۲۷ رجون ۱۹۴۶ء کو فرانس کے دارالخلافہ پیرس میں ایک اسکول ماسٹر کا ۴۴ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ یہ ماسٹر صاحب ساری عمر مجرد رہے اور انھوں نے کوئی شادی نہیں کی۔ مرنے سے پہلے ان ماسٹر صاحب نے ایک عجیب و غریب جدت کی اور وہ یہ کہ اپنی آواز کا ریکارڈ تیار کرایا۔ اور اسے محفوظ کرکے وصیت کردی "جب میرا انتقال ہو جائے تو فوراً اس ریکارڈ کو بجایا جائے۔ اور جو کچھ آواز اس ریکارڈ میں سے نکلے اس کے مطابق حاضرین عمل کریں"

یہ وصیت کر کے ماسٹر صاحب رحلت فرما گئے۔ جب ماسٹر صاحب کے اعزہ اور احباب، سکول کے ماسٹر اور طلبا تدفین میں شامل ہونے کے لیے ان کے مکان پر جمع ہوئے تو سب نے بلند آواز کے ساتھ متوفی ماسٹر صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آپ نے نہایت مہربانی فرمائی جو میری تعزیت کے لیے اپنے قیمتی وقت کا ہرج کر کے تشریف لائے۔ میں تو اب مر گیا ہوں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ مگر میری روح اس مہربانی کے لیے آپ کی نہایت شکرگزار ہے۔ اس تکلیف فرمائی کے شکریہ میں افسوس ہے کہ میرا بے جان جسم آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا مگر اس خیال سے کہ آپ بالکل ہی خالی نہ جائیں۔ آپ کی تھوڑی بہت مدارات کا میں نے انتظام کر دیا ہے اور وہ یہ کہ میں نے اپنے کمرہ میں پانچ سو بوتلیں اعلیٰ درجہ کی شراب کی آپ کے لیے رکھدی ہیں بس براہ

کرم میرے کمرہ میں تشریف لے جائیں۔ اور میرے اس حقیر ہدیہ کو شرفِ قبولیت بخش کر میری روح کو ممنون فرمائیں۔ آپ صاحبان کو اپنے مکان میں ہمراب پیتے دیکھ کر میری روح حقیقی مسرت محسوس کرے گی۔"

چنانچہ حاضر الوقت اصحاب نے خلوص قلب کے ساتھ اس غائبانہ دعوت کو قبول کیا۔ اور اُن کی آن میں پانچ سو بوتلیں خالی کر ڈالیں۔

۱۴۔ ذراسی غلطی اور پانی کی بالٹی

اس قسم کے سینکڑوں لطیفے زبان زدِ عوام ہیں کہ غیر زبان کو پوری طرح نہ جاننے یا الفاظ میں ناواقفیت کے باعث ذراسی غلطی ہو جانے سے معنی اور مطلب میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ اسی قسم کا ایک دلچسپ لطیفہ فرانس میں حضرت مفتی صاحب کے ساتھ پیش آیا جب مفتی صاحب ہندوستان سے انگلستان تشریف لے گئے تھے تو راستہ میں فرانس سے بھی گذرے تھے۔ مگر اس وقت فرانسیسی زبان سے بالکل ناواقف تھے۔ لیکن جب سات سال انگلستان اور امریکہ میں تبلیغ کے بعد واپس ہندوستان ہوئے تو راستہ میں ڈیڑھ ماہ کے لیے فرانس میں بھی قیام فرمایا تھا۔ اُس دوران میں کچھ فرانسیسی آپ نے سیکھ لی تھی۔

ایک روز آپ ایک ہوٹل میں گئے۔ وہاں آپ کافی پینا چاہتے تھے آپ نے خیال کیا کہ اتنی فرانسیسی تو مجھے آگئی ہے کہ میں ہوٹل کے ملازم کو کافی لانے کا حکم فرانسیسی زبان میں دوں۔ "اس کے لیے مفتی صاحب کو کہنا چاہیے تھا کفے او لے" جس کے معنی فرانسیسی زبان میں ہیں "دودھ والی کافی لے آؤ"۔ مگر بجائے اس کے مفتی صاحب کے منہ سے نکلا "کفے او لو"۔ ہوٹل کے ملازم نے بڑے

تعجب کے ساتھ اس حکم کو سنا مگر ایک لفظ زبان سے نکالے بغیر خاموشی کے ساتھ کمرہ سے باہر چلا گیا۔ اور دو تین منٹ میں ایک پیالی خالی کافی کی بغیر دودھ کی اور ایک بالٹی گرم پانی کی بھری ہوئی لے آیا۔ مفتی صاحب نے کہا "یہ پانی کیوں لائے ہو؟" تو ملازم نے کہا "آپ نے ہی تو حکم دیا تھا کہ "کفے اور لو" (اس فقرہ کے معنی یہ ہیں کہ کافی اور پانی لے آؤ) میں آپ کے حکم کی تعمیل میں کافی اور پانی لے آیا۔" اُس وقت مفتی صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

دیکھا آپ نے "لے" کی بجائے "لُو" کہہ دینے سے فقرہ کے معنی کچھ کے کچھ ہو گئے۔

۱۵۔ "سُور کا گوشت لاؤں؟"

یورپ میں عیسائی لوگ سور کا گوشت ایسی رغبت، شوق اور کثرت کے ساتھ کھاتے ہیں کہ یہ اُن کی خوراک کا ایک بہت ہی ضروری جزو ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک روز حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ "جب میں ہندوستان سے تبلیغِ اسلام کے لیے انگلستان جا رہا تھا تو راستہ میں فرانس میں بھی ٹھیرا۔ وہاں جب میں ایک ہوٹل میں گیا تو میں نے ہوٹل کے ملازم سے کہا کہ "میرے لیے ایک انڈا لاؤ" اس پر اس ملازم نے چپکے سے پوچھا کہ "کیوں جناب انڈے کے ساتھ تھوڑا سا سور کا گوشت بھی لے آؤں؟" میں نے گھبرا کر کہا نہیں نہیں... ہرگز نہیں۔ صرف انڈا لاؤ۔"

۱۰۔ عُلما کشمکش

حضرت مفتی صاحب نے سُنایا کہ جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ مہاراجہ کشمیر کے

طبیب خاص تھے تو ایک مرتبہ جموں میں آپ کے مکان پر لوگوں کی محفل گرم تھی۔ اور لوگ مختلف اغراض و مقاصد کے لیے آجا رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک صاحب جبہ در بر اور عمامہ بر سر بڑی شان سے تشریف لائے۔ ریش مقدس بھی خاصی دراز تھی اور آکر دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے۔ (حضرت خلیفہ اول کی محفل میں نشست فرش پر ہوتی تھی) کچھ دیر کے بعد حضرت خلیفہ اول نے اُن سے پوچھا کہ "آپ کون صاحب ہیں؟" اس پر انھوں نے جو جواب دیا اُسے سن کر ساری محفل ہنسنے لگی۔ فرمانے لگے "حکیم صاحب ہم علمائشکش ہیں (یعنی ہم مولوی ہیں)

حضرت مولوی صاحب نے متبسم ہو کر فرمایا "یہ نمونہ ہے آجکل کے علمائے کرام کا۔ افسوس ہے اِن لوگوں کی حالت پر۔"

"یہ کو وہ بنادو"

ایک روز مہمان خانہ قادیان میں حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کے پاس بیٹھے ہوئے میں کچھ لکھنے لگا تو دیکھا کہ دوات کا ڈھکنا نہیں ہے۔ میں نے حضرت حافظ صاحب سے پوچھا "اس کا وہ کہاں گیا؟" حافظ صاحب سمجھ گئے اور انھوں نے ڈھکنا اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے کہا "وہ یہ رہا"۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے ایک مزیدار لطیفہ سنایا۔ فرمانے لگے "جب میں لاہور میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم تھا۔ تو اتفاق سے ایک بنگالی ہیڈ کلرک نیا نیا آیا۔ اُس بیچارہ کو اردو بہت تھوڑی آتی تھی۔ اشاروں کنایوں میں اور ٹوٹے پھوٹے جملوں میں وہ اپنا کام نکالا کرتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی اسے کسی مثل کے متعلق کوئی کاروائی کروانی ہوتی تو مثل کو ہاتھ میں لے کر ادپر اٹھاتا اور زور

سے کہتا " او مسٹر محمد صادق یہ کو وہ بنا دو " میں سمجھ جاتا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ اور کام کر دیتا۔

۱۸۔ ایک اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے

امریکہ میں تبلیغ اسلام کرتے ہوئے مفتی صاحب کو دو سال ہوئے تھے کہ ایک سوسائٹی نے آپ کو اپنے ہاں اسلام پر لیکچر دینے کے لیے بلایا اور سارا خرچ خود برداشت کیا۔ جب حضرت مفتی صاحب وہاں پہنچے تو ایک ہوٹل کی بائیسویں منزل پر اُن کے ٹھہرانے کا انتظام اور تیس روپے روزانہ اُن کے خرچ کے لیے مقرر کیے۔ وقتِ مقررہ پر حضرت مفتی صاحب نے لیکچر دیا جس کو تمام سامعین نے توجہ اور شوق کے ساتھ سنا۔ لیکچر کے خاتمہ پر ایک پادری صاحب اٹھے اور فرمانے لگے کہ

"آپ جو تنِ تنہا ہندوستان سے چل کر یہاں آئے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس طرح کامیاب ہو جائیں گے؟ اور یہاں کونسا تیر مار لیں گے؟ ہم نے سینکڑوں مشنری ہندوستان بھیجے ہوئے ہیں جو دن رات نہایت تندہی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں آپ اکیلے آدمی یہاں کیا کریں گے؟

جب مفتی صاحب اس بات کا جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو صدرِ جلسہ نے کہا کہ یہ بات ہی فضول ہے۔ اس کا جواب دینے کی کیا ضرورت ہے؟
حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ " یہ بڑا ضروری سوال ہے اور میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ اس کے بعد مفتی صاحب پادری کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا:-

" جو سوال آپ نے اس وقت اُٹھایا ہے یہ اسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے. گویا آپ نے اپنے منہ سے اسلام کے مذہب حق ہونے کا اقرار کر لیا ہے "

پادری صاحب۔ یہ کس طرح ؟ ذرا تفصیل سے سمجھائیے۔

صادق۔ آپ کے پادریوں نے سو برس میں اربوں روپیہ پانی کی طرح بہا کر ہندوستان میں جو کچھ کام کیا ہے اُسے دیکھیے اور مجھ اکیلے نے دو برس میں یہاں جو کچھ کیا ہے اس کا مقابلہ کیجیے۔ آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ نسبتاً کیا ہے اور کس نے کام زیادہ اور عمدہ کیا۔ اس غیر ملک میں مجھ اکیلے کی کامیابی ہی عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی عظیم الشان فتح کا ثبوت ہے۔"

۱۹ یسوع کے وقت کی نماز

۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے الفضل میں حضرت مفتی صاحب نے ایک عجیب لطیفہ رقم فرمایا ہے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں :۔

" امریکہ کے شہر ہملٹن میں ایک نیا گرجا دو سو سال کے قدیم گرجوں کے نمونہ پر بنایا گیا ہے۔ اس گرجا کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نماز کا وہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو آج سے دو سو سال پہلے عیسائی دنیا میں رائج تھا۔ اور جو موجودہ طریقے سے بالکل مختلف ہے۔ کاش کوئی ایسا بھی گرجا بنایا جاتا جس میں نماز کا وہ طریقہ اختیار کیا جاتا جو یسوع اور اس کے حواریوں کا تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ آج تمام عیسائی دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں جسے معلوم ہو کہ وہ کیا طریقہ تھا؟ پھر گرجا کس طرح بنائیں اور نماز کس طرح پڑھیں ؟"

۲۰۔ لالہ کریم الدین

حضرت مفتی صاحب نے ایک دفعہ لطیفہ سنایا کہ جب میں لاہور میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم تھا تو ایک دفعہ ایک انگریز ہمارے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ ہو کر کہیں سے بدل کر آیا۔ آتے ہی کسی شخص نے اُسے سمجھا دیا کہ دفتر کے کلرکوں کو اگر اخلاق کے ساتھ مخاطب نہ کیا جائے تو ان کو برا محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے آپ مسلمان کلرکوں کے ناموں کے ساتھ "میاں" کا لفظ بولا کریں اور ہندو کلرکوں کے ناموں کے ساتھ "لالہ" کا لفظ کہا کریں۔ اس نے کہا "اچھا" مگر وہ ہندو مسلمان ناموں میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ اکثر پکارتا۔ "لالہ کریم الدین" کبھی کہتا "میاں رام لال" لوگوں نے پھر اسے سمجھایا کہ یہ نہایت قابل اعتراض بات ہے۔ جب مسلمانوں کو "لالہ" کے لفظ کے ساتھ آپ مخاطب کرتے ہیں تو ان کو نہایت برا لگتا ہے۔ ایسا کبھی نہ کریں۔

اس پر وہ انگریز بڑا پریشان ہوا اور کہنے لگا "ہم تو بڑا کوشش کرتا ہے کہ سب کو خوش رکھے۔ مگر ہم سمجھ نہیں سکتا کہ کس کو "لالہ" کہیں اور کس کو "میاں"! اچھا ہم آج سے اس جھگڑے ہی کو ختم کرتا ہے اور سب کو "مسٹر" کہا کرے گا۔ چاہے کوئی ہندو کلرک ہو یا مسلمان"۔ چنانچہ اس روز سے اس نے ہندو مسلمان دونوں کو مسٹر کے لفظ سے بلانا شروع کر دیا۔

۲۱۔ شیخی اور خواہش شہرت

۸/ اپریل ۱۹۲۶ء کے الفضل میں حضرت مفتی صاحب نے جو شذرات

لکھے ہیں۔ اُن میں یہ لطیفہ بھی قلمبند فرمایا جو بے وقوفی اور فضول خرچی کا غماز ہے
لیجیے سنیے:۔

رومانیہ کی ملکہ میری سیر کے لیے امریکہ تشریف لے گئیں۔ جس ہوٹل میں
آپ نے اقامت کر قیام فرمایا۔ اُس میں کھانے کا بڑا کمرہ تھا۔ وہاں جس وقت
ملکہ کھانا کھانے گئیں تو بڑے بڑے معزز اور امیر لوگوں نے جو اس ہوٹل میں بطور
مسافر مقیم تھے منیجر ہوٹل سے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ ہمیں ملکہ کے پاس والی
کرسی پر بیٹھنے کا موقع دیا جائے۔ تاکہ ہمیں یہ فخر ہو کہ ہم نے ملکہ رومانیہ کے ساتھ بیٹھ کر
کھانا کھایا۔

منیجر ہوٹل بہت تجارتی دماغ کا انسان تھا۔ اُسے اپنے فائدہ کی فوراً ایک
تدبیر سوجھی اور اس نے تمام خواہشمند مسافروں سے کہا "مجھے اس میں کوئی اعتراض
نہیں۔ لیکن ملکہ کے پاس بیٹھنے کا اعزاز حاصل کرنے کے لیے آپ کو کچھ خرچ
کرنا پڑے گا۔ جو عزت اور شہرت کے مقابلہ میں بہت ہی خفیف رقم ہوگی۔ جس
وقت اخباروں میں چھپے گا کہ فلاں صاحب نے ملکہ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھایا۔
تو کس قدر اس خوش نصیب شخص کو اس کی مسرت ہوگی۔ اور جس وقت ملکہ اور
اس شخص کے فوٹو اکٹھے اخباروں میں شائع ہوں گے تو اس شخص کی کس قدر شہرت
ہوگی۔ پس جو شخص مجھے سب سے زیادہ رقم دے گا۔ یہ اعزاز اس کے لیے مخصوص کر دونگا۔

اس پر نیلام شروع ہوا۔ اور جس "خوش قسمت" انسان کو یہ اعزاز حاصل ہوا
اس کی قیمت ایک ہزار ڈالر (قریباً ڈھائی ہزار روپیہ) ادا کرنی پڑی۔

نمود و نمائش اور شہرت طلبی کی خواہش انسان کو بالکل مجنوط الحواس بنا دیا
کرتی ہے افسوس۔

۲۲۔ ایک پنتھ دو کاج

ایک دفعہ ایک دوست کے ساتھ حضرت مفتی صاحب بمبئی کے ایک بازار میں سے گزر رہے تھے۔ سڑک پر ایک عرضی نویس قلم دوات اور کاغذ وغیرہ لیے بیٹھا تھا۔ جو کوئی اس سے اپنا خط لکھواتا دو چار پیسے لے کر لکھ دیتا۔ وہ دوست کہنے لگے "مفتی صاحب! جب جانیں کہ آپ اس عرضی نویس کو تبلیغ کریں۔" مفتی صاحب نے فرمایا "یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ ابھی لو۔"

یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب اس عرضی نویس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے "منشی جی! ایک بہت ضروری خط لکھوانا ہے۔ لیکن ہے بہت بڑے آدمی کے نام۔ مہربانی فرما کر ایک بہت عمدہ کاغذ لے لیجیے اور جس طرح میں بتاؤں اس خط کو خوب سنوار کر خوش خط لکھ دیجیے۔ جو اجرت ہو گی آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

عرضی نویس صاحب فرمانے لگے "جناب! ایسی عمدگی کے ساتھ آپ کا خط لکھوں گا کہ آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔

صادق۔ اسی لیے تو آپ سے لکھوا رہا ہوں۔ ورنہ شہر میں کیا اور خط نویس نہیں تھے۔

عرضی نویس :۔ فرمایئے کس کے نام خط لکھوانا ہے؟ اور مضمون کیا ہے؟

صادق۔ منشی صاحب! مجھے یہ ضروری خط جناب نظام صاحب والی حیدر آباد کے نام لکھوانا ہے۔ باقی رہا مضمون۔ تو میں جس طرح بتاتا جاؤں آپ لکھتے جائیں۔

اس پر عرضی نویس صاحب نے اپنے بستے میں سے ایک عمدہ کاغذ نکالا اور

اور فرمانے لگے۔ لکھوائیے۔ کیا لکھواتے ہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا۔ منشی صاحب! لکھیے :-

"جناب والا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں آپ کو ایک نہایت ہی ضروری اور اہم اطلاع دینے کے لیے یہ عریضہ خدمت والا میں بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آں محترم پوری توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ وہ اطلاع یہ ہے کہ پنجاب کے گاؤں قادیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعود کا نزول ہو چکا ہے۔ جن کا اسم گرامی مرزا غلام احمد ہے۔ وہ تمام دنیا کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لانے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کرنے کے لیے خدا کی طرف سے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ خدا کی جانب سے دین اسلام کی تجدید کے لیے آئے ہیں۔ پس میں ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آپ اُن کو قبول فرمائیں اور ابدی سعادت کے وارث بنیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ خاصا لمبا خط حضرت مفتی صاحب نے لکھوایا اور پوری تبلیغ اس میں کر دی۔ اور پھر اس خط کو جناب نظام صاحب حیدرآباد کے نام روانہ بھی کر دیا۔

جتنا عرصہ حضرت مفتی صاحب خط لکھواتے رہے عرضی نویس بڑی حیرت سے کبھی خط کی طرف دیکھتا کبھی حضرت مفتی صاحب کی طرف۔

اس طرح حضرت مفتی صاحب نے عرضی نویس کو بھی پوری تبلیغ کر دی۔ اور جناب والی حیدرآباد کو بھی۔ ایک پنتھ دو کاج اسے کہتے ہیں۔

۲۳۔ آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ جب فونوگراف شروع شروع میں چلا ہی

چلا تھا تو ایک مشین حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رضی اللہ عنہ نے بھی منگوائی۔ اس وقت اس میں آواز خوب دبھرنی پڑتی تھی۔ جب قادیان کے ہندوؤں نے سنا کہ نواب صاحب نے ایک ایسی مشین منگوائی ہے جو آدمی کی طرح بولتی ہے تو انھیں نہایت تعجب ہوا۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور فونوگراف کے سننے کی شدید خواہش کا اظہار بڑے اشتیاق سے کیا۔ حضور کوئی بھی موقع تبلیغ اسلام کا جانے نہ دیتے تھے۔ آپ کو فوراً ایک خیال آیا۔ اور آپ نے اُن ہندوؤں سے مشین سنانے کا وعدہ کر لیا۔ اور فرمایا فلاں دن آنا۔ میں آپ صاحبان کو مشین کا گانا سنوا دوں گا۔ ہندو خوش خوش واپس چلے گئے اور وعدہ کے دن کا نہایت شوق سے انتظار کرنے لگے۔

ہندوؤں کے جانے کے بعد حضور نے وہ مشہور تبلیغی نظم تصنیف فرمائی جس کا پہلا شعر ہے ؎

آواز آرہی یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

یہ نظم لکھ کر حضور نے حضرت مولوی عبد الکریم رضی اللہ عنہ کو دی کہ اسے فونوگراف میں بھر دیں۔ کیونکہ مولوی صاحب بہت خوش الحان تھے۔

مقررہ دن پر جب قادیان کے ہندو آئے اور فونوگراف سے یہ نظم انھوں نے سنی تو سب کے سب حیران اور ہکا بکا رہ گئے۔

۲۴۔ بندر کا خیال

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ حضرت مسیح موعود اس زمانہ کے پیروں کی

خراب حالت کے تذکرہ میں ایک پیر کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اُس نے اپنے مرید کو ایک وظیفہ تبلایا اور کہا کہ یہ پڑھا کرو تمہاری ہر حاجت پوری ہوجائے گی مگر شرط یہ ہے کہ وظیفہ کے دوران میں بندر کا خیال نہ آئے۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بھی مرید وظیفہ پڑھنے بیٹھتا تو اسے بندر کا خیال ضرور آجاتا۔

یہ قصہ بیان کرکے حضور نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یہی حالت ہماری ہے۔ اگر لوگوں کو یہ بات اچھی طرح بتادی جائے کہ سورۃ فاتحہ میں ہماری بعثت زبردست پیشگوئی کی گئی ہے تو شاید لوگ ہمارے بغض کی وجہ سے سورۃ فاتحہ ہی پڑھنی چھوڑ دیں تاکہ کہیں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے ہمارا خیال نہ آجائے۔
حقیقت میں حضور کا یہ فرمانا بالکل بجا تھا۔ بغض اور عداوت میں آدمی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میرے دادا مرحوم شیخ محمد ابراہیم سے ایک صاحب کی سخت دشمنی اور عداوت تھی۔ ان صاحب نے نماز میں درود شریف پڑھنا محض اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ درود میں ابراہیم کا نام آتا ہے۔

۲۵۔ ایک خواب کی عجیب تعبیر۔

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ لاہور میں میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص کالو نام ہے۔ وہ بغیر میری اجازت کے میرے گھر میں آگیا اور میری بیوی سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے اس پر سخت غصہ آیا کہ اول تو اس کو میرے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کا کیا حق تھا۔ اور پھر یہ کتنی بیہودگی ہے کہ میری بیوی سے باتیں کر رہا ہے۔ میں نے یہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لکھا اور تعبیر پوچھی۔ حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ اگر آپ کی بیوی کو حمل ہے تو ضرور لڑکا پیدا

ہوگا۔ کالو کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عمر دیگا اور وہ بڑی عمر کو پہنچے گا۔ (حضرت مفتی صاحب کے پہلے دو ایک لڑکے فوت ہو چکے تھے)

گھر میں واقعی حمل تھا۔ اور لڑکا ہی پیدا ہوا۔ جس کا نام حضور علیہ السلام نے اسی خواب کے پیشِ نظر عبد السلام رکھا۔ جو الحمد للہ اس وقت تک بقید حیات ہے۔

خوابوں کی دنیا بھی عجیب ہے۔

۲۶- بائیبل کی تحریف

دورانِ قیام لندن میں ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے "اصلاح شدہ بائبل" پر ایک لیکچر دیا۔ حاضرین میں احمدی اور غیر احمدی۔ نومسلم انگریز۔ عیسائی اور یہودی۔ مرد اور عورت کثرت سے تھے۔ مفتی صاحب نے نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ اپنے مضمون کو بیان کیا اور حاضرین پوری دلچسپی کے ساتھ سنتے رہے۔ جب اپنی تقریر میں حضرت مفتی صاحب تحریفِ بائبل کے ثبوت پیش کر رہے تھے تو تقریر کرتے کرتے آپ نے ایک بڑے دلچسپ لطیفہ کو عملی رنگ دیا جس سے ساری محفل قہقہوں کے شور سے گونج اٹھی حضرت مفتی صاحب نے ڈاکٹر برکات وتج سکنہ بوسینیا کو مخاطب کرکے فرمایا "ڈاکٹر صاحب: مہربانی کرکے یہ بائبل لیں اور متی باب ۱۷ آیت ۲۱ پڑھ دیں"۔

ڈاکٹر برکات وتج نے مفتی صاحب کے ہاتھ سے انجیل لے کر اس میں سے حسب ذیل عبارت پڑھی۔ "البتہ اس قسم کے بھوت دعا اور روزے سے نکالے جاسکتے ہیں"۔

صادق - بہت اچھا۔ جزاک اللہ۔ آپ نے بالکل صحیح پڑھا۔ یہ اُس بائیبل کی جسے کلام اللہ کہا جاتا ہے، ایک آیت ہے۔

اب حضرت مفتی صاحب ایک تعلیم یافتہ مسیحی خاتون کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے "اچھا مس ہاروے! اب آپ مہربانی فرما کر مجھ سے یہ دوسری انجیل لیں اور اس میں سے وہی آیت جو ابھی ڈاکٹر برکات وتھ نے پڑھی ہے۔ نکال کر مجھ کو سنائیں۔ یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب نے ایک دوسری انجیل مس ہاروے کے ہاتھ میں دے دی جو جدید الطبع اور ترمیم شدہ تھی۔ مس ہاروے نے انجیل لے کر اس میں متی باب ۱۷۔ آیت ۲۱ بہت دیکھی۔ ادھر اُدھر پلیٹ کر ورق گردانی بھی کی۔ مگر بیچاری کو وہ آیت نہ ملی۔ آخر تنگ آ کر مس ہاروے نے بلند آواز سے کہا "جناب! میں نے تو بہت تلاش کیا مگر مجھے تو اس میں یہ آیت کہیں ملی نہیں"۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "آپ نے ٹھیک کہا۔ اگر ہوتی تو ضرور ملتی۔ ترمیم شدہ ایڈیشن میں یہ آیت نکال دی گئی ہے۔ اور یہ تحریف کا بین ثبوت ہے۔ جو حاضرین نے اس وقت دیکھا"

تمام حاضرین اس لطیفہ پر حیران ہو کر رہ گئے۔ اور کسی کو بھی اس کا جواب بن نہ آیا۔

متی کے باب ۱۷۔ آیت ۲۱ ہی پر موقوف نہیں۔ انجیل کی اکثر آیتیں ایسی ہیں جو قدیم نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ مگر پادری صاحبان نے اعتراضات سے بچنے کے لیے موجودہ شائع شدہ انجیلوں میں سے ان کو نکال دیا ہے۔ نمونۃً حضرت مفتی صاحب نے مجھے ذیل کی بعض آیتیں لکھوائی ہیں جو ۱۹۰۰ء سے پہلے کی انجیلوں میں تو موجود ہیں مگر بعد کی انجیلوں میں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہوا۔

(۱) متی باب ۵ آیت ۱۱۔ باب ۲۳ آیت ۱۴۔

(۲) مرقس باب ۷ آیت ۱۶۔ باب ۹ آیت ۴۴ و ۴۶۔ باب ۱۱ آیت ۲۶ باب ۱۵ آیت ۲۸۔

(۳) لوقا باب ۹ آیت ۳۶۔ باب ۲۳ آیت ۱۷۔

(۴) یوحنا۔ باب ۵ آیت ۴۔

(۵) اعمال باب ۸ آیت ۳۷۔ باب ۱۵ آیت ۳۴۔ باب ۲۴۔ آیت ۷۔ باب ۲۸۔ آیت ۲۹۔

(۶) رومیوں کا خط۔ باب ۱۶۔ آیت ۲۴۔

(۷) یوحنا کا پہلا خط۔ باب ۵۔ آیت ۷۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتاب جس میں اس قدر زیادہ تبدیلیاں اور ترمیمیں ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں اس کتاب کے مقابل پر کس طرح پیش کی جا سکتی ہے جس میں اس کے نزول سے اس وقت تک کہ ساڑھے تیرہ سو برس ہوتے ہیں ایک نقطہ اور ایک حرکت تک کا فرق نہیں پڑا۔

ان خارج شدہ آیتوں کے متعلق ایک بہت دلچسپ اور پراز معلومات مضمون حضرت مفتی صاحب نے جون ۱۹۳۰ء کے ریویو آف ریلیجنز اردو میں شائع کروایا تھا جس کا عنوان ہے "محرف و مبدل انجیل"۔ جن صاحب کو عیسائیت سے دلچسپی ہو وہ مضمون مذکورہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

۲۷۔ فرانسیسی سادھو

جاکھو۔ شملہ میں پہاڑ کی ایک بہت بڑی چوٹی ہے۔ جب ۱۹۲۷ء میں حضرت مفتی صاحب شملہ گئے تو انھوں نے سنا کہ اس چوٹی پر ایک یورپین سادھو رہتا

ہے۔ جس نے چھوٹی عمر میں کسی سادھو کا چیلا ہو کر دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ اور تب سے اسی پہاڑ پر رہتا ہے۔ فرانسیسی نسل سے ہے۔ اور اس کے اقربا ہندوستان میں معزز عہدوں پر ملازم ہیں۔

سادھو کے یہ حالات سن کر مفتی صاحب کو شوق پیدا ہوا کہ چل کر اسے تبلیغ کرنی چاہیے۔ راستہ دشوار گزار تھا۔ رکشا بھی اوپر تک نہیں جا سکتی تھی بمشکل تمام مفتی صاحب پیدل ہی سادھو کی کٹیا تک پہنچے۔ سادھو صاحب اُس وقت بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ سر پر اونی ٹوپی تھی اور بدن پر ایک میلا پرانا کرتہ۔ بالکل اہل شملہ جیسی پنجابی نما اردو بولتے تھے۔ لب و لہجہ سے کوئی شناخت نہیں کر سکتا کہ وہ کبھی فرانسیسی تھے۔ رنگ بھی سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ نوے سال کی عمر تھی۔ مگر بدن مضبوط تھا۔ انگریزی بخوبی اور روانی کے ساتھ بولتے تھے۔ مفتی صاحب سے انگریزی ہی میں گفتگو ہوئی۔

صادق۔ آپ نے دنیا کو چھوڑا۔ ہر قسم کی لذتوں کو ترک کیا۔ غریبی اور فقیری کو اختیار کیا۔ اور اب عمر کی انتہا کو پہنچ گئے۔ مجھے یہ بتلائیے کہ اس تمام محنت۔ اس تمام ریاضت اور اس تمام مشقت سے حاصل کیا ہوا۔ اور کون سی چیز روحانیت کی آپ کو دوسروں سے زیادہ مل گئی؟

سادھو۔ میں کچھ بتلا نہیں سکتا۔ یہ معاملہ عشق و محبت کا ہے۔ عاشق اپنے عشق کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ اکثر معشوق کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ عاشق کیا کچھ اس کی خاطر محسوس کر رہا ہے۔

صادق۔ اچھا اگر آپ یہ نہیں بتلا سکتے تو کم از کم یہ تو بتلائیں کہ جب آپ بچپن میں فرانس میں اسکول میں پڑھا کرتے تھے تو اس وقت آپ نے بائبل بھی ضرور پڑھی ہوگی اور میرا خیال ہے کہ آپ اسے بھولے نہیں ہوں گے۔ بائبل میں لکھا ہے

کہ بعض اصحاب نے روحانیت میں اتنی ترقی کی کہ خدا ان سے ہم کلام ہوا اور رُو در رُو ہو کر انہوں نے اپنے ان پیاروں سے بات چیت کی۔ آپ نے اپنے گرد کی ہدایت اور تعلیم کے مطابق دنیا کو ترک کر دیا۔ اور اتنا طول طویل زمانہ ریاضت اور عبادت میں گزارا اور گزار رہے ہیں۔ کیا آپ سے بھی کبھی خدا بولا اور اپنی رضامندی کا اظہار اس نے آپ پر کیا؟

سادھو۔ (ہنس کر) نہیں۔ ایسی بات اب ممکن نہیں۔ اور اب کوئی شخص خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل نہیں کر سکتا۔ اگلے زمانہ کے رشی۔ اوتار اور پیغمبر بے شک ایسے ہوئے ہیں کہ خدا ان سے بولتا تھا۔ مگر اب کسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

صادق۔ سادھو جی! آپ ایسی بات نہ کہیں۔ خدا پہلے بھی بولتا تھا اب بھی بولتا ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ بولتا رہے گا۔ میں خود خدا کے ایک رسول کی پاک صحبت میں عرصہ تک رہا ہوں جس سے خدا بولا کرتا تھا۔ چنانچہ صدہا پیشگوئیاں جو اس نبی نے خدا سے خبر پا کر کیں صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ اور یہی پیش گوئیاں اس کی صداقت کا ثبوت ہیں۔

سادھو۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ٹھیک ہے۔ میں نے آپ کی یہ بات مان لی کہ خدا پہلے بھی بولتا تھا اور اب بھی بولتا ہے۔ مجھے بھی بعض خوابیں ایسی آئی ہیں جو صفائی کے ساتھ ہو بہو پوری ہوئیں۔ اس وقت تو نہیں۔ پھر کبھی آپ کا آنا ہوا تو سناؤں گا۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے سادھو صاحب کو حضرت مسیح موعود کے ظہور کی اطلاع دی۔ کچھ تبلیغی لٹریچر انگریزی میں ان کو دیا۔ سلسلہ کی کچھ اور باتیں اُن کو بتائیں اور پھر ان سے رخصت ہو کر چلے آئے۔

چلتے ہوئے سادھو صاحب کہنے لگے کہ میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ آپ کبھی کبھی مجھے خط ضرور لکھتے رہیں۔ اور قادیان پہنچ کر حضرت صاحب کی کوئی انگریزی کتاب مجھے مطالعہ کے لیے بھیجیں۔

یہ سادھو صاحب سنہ ۱۹۲۰ء میں انتقال کر گئے۔ ان کا فرانسیسی نام مسٹر سٹوک اور ہندوستانی نام سوامی بیتانندسم تھا۔

۲۸۔ امریکہ میں داخلہ کی کہانی

انگلستان میں نہایت کامیابی اور عمدگی سے تبلیغ اسلام کے فرائض بجالانے کے بعد جب حضرت مفتی صاحب امریکہ تشریف لے گئے تو جہاز سے اترتے ہی محکمہ امیگریشن کے افسروں سے واسطہ پڑا۔ انھوں نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا:۔

افسر۔ آپ کا نام کیا ہے اور آپ کون ہیں؟

صادق۔ میرا نام محمد صادق ہے۔ میں مسلمان ہوں اور ہندوستان کا باشندہ ہوں۔

افسر۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

صادق۔ میں پہلے ہندوستان سے انگلستان آیا اور وہاں سے یہاں آیا ہوں۔

افسر۔ یہاں آپ کیوں آئے ہیں؟

صادق۔ تبلیغ اسلام کرنے کے لیے۔

افسر۔ آپ کونسی الہامی کتاب کو ماننے والے ہیں؟

صادق۔ قرآن مجید کو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

افسر۔ اس میں تو چار تک بیویاں کرنے کا حکم ہے۔

صادق - حکم نہیں اجازت ہے۔

افسر - پھر آپ اس ہمارے ملک میں بھی لوگوں کو یہی تعلیم دیں گے کہ چار بیویاں کرو۔

صادق - تعلیم دینے کے لیے اور بہت سی باتیں ہیں جو چار بیویاں کرنے سے بھی بہت زیادہ ضروری اور اہم ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک اکیلے اور واحد خدا کی پرستش کرو۔ کسی کو اس کا شریک۔ ساجھی اور ہمسر نہ بناؤ۔ کسی کو خدا کا بیٹا نہ بناؤ۔ کسی انسان کو خدا نہ سمجھو۔ رہ گئی چار بیویوں والی بات تو ہمارے مذہب میں ایک شخص ایک بیوی کرکے بھی ایسا ہی سچا اور پکا مسلمان رہتا ہے جیسا چار بیویاں کرنے پر۔ ہمارا مذہب ہرگز یہ بات نہیں کہتا کہ ضرور ہی چار بیویاں کرو۔ بلکہ محض اس کی اجازت دیتا ہے کہ اگر حالات کا اقتضا ہو تو دو تین چار تک بیویاں کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ اُن میں عدل و انصاف پورا قائم رکھو۔ چار بیویاں کرنے کا مسئلہ ہمارے ہاں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر ایمان اور اسلام کی بنیاد ہو۔ اور جس کے بغیر آدمی مسلمان ہی نہ ہو سکتا ہو۔ تمام دنیائے اسلام میں لاکھوں ایسے انسان ہیں جو صرف ایک ہی بیوی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ دو بیویاں کرنے والے نسبتاً کم تعداد میں ہیں اور تین یا چار بیویاں کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں۔ اگر یہ حکم اسلام میں ضروری ہوتا تو پھر ہر مسلمان کے لازماً چار بیویاں ہوتیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

افسر - خواہ کچھ بھی ہو۔ ہم آپ کو اپنے ملک میں رہنے کی اور تبلیغ کرنے کی اجازت بالکل نہیں دے سکتے۔ آپ فوراً واپس چلے جائیں۔

صادق - یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے امریکہ میں تبلیغ کرنی اور لوگوں کو مسلمان بنانا ہے۔ پھر میں کس طرح واپس چلا جاؤں۔

افسر۔ اچھا اگر آپ واپس جانا نہیں چاہتے تو آپ کو نظر بند رہنا پڑیگا ہم آپ کے متعلق افسرانِ بالا کو رپورٹ کرتے ہیں۔ وہاں سے جیسا حکم آئیگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

صادق۔ مجھے یہ بات منظور ہے مگر میں واپس نہیں جاؤں گا۔

اس گفتگو کے بعد ان لوگوں نے حضرت مفتی صاحب کو ایک مکان میں بند کر دیا۔ جس کے باہر نکلنے کی ممانعت تھی۔ مگر چھت پر ٹہل سکتے تھے۔ اس کا دروازہ دن میں صرف دو مرتبہ کھلتا تھا۔ جبکہ کھانا کھلایا جاتا تھا۔

اس مکان میں کچھ یورپین بھی نظر بند تھے۔ جو عموماً نوجوان تھے اور پاسپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے اُس وقت تک کے لیے یہاں نظر بند کر دیئے گئے تھے جب تک حکام کی طرف سے ان کے متعلق کوئی فیصلہ ہو۔ یہ لوگ حضرت مفتی صاحب کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ اُن کے لیے نماز پڑھنے کی جگہ بھی انھوں نے بنا دی تھی۔ اور برابر خدمت کرتے رہتے تھے۔ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر مفتی صاحب نے اُن نوجوانوں کو تبلیغ کرنی شروع کی جس کا نتیجہ الحمد للہ بڑا اچھا نکلا۔ یعنی ایک ایک دو کر کے پندرہ آدمی مسلمان ہو گئے۔

جب محکمہ کے افسر کو اس بات کا پتہ لگا تو وہ بڑا گھبرایا۔ اور سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اس طرح تو یہ آہستہ آہستہ سارے نظر بند نوجوانوں کو مسلمان کرلے گا۔ اور جب شہر کے پادری صاحبان کو اس کا علم ہو گا تو وہ سخت ناراض ہوں گے اور شہر کی ساری پبلک کو میرے خلاف کر دیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ میں آئندہ انتخاب میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ اُس نے خیال کیا کہ اب خیر اسی میں ہے کہ جتنے جلدی ممکن ہو سکے اس

شخص کو یہاں سے نکالنا چاہیے۔ ورنہ بدنامی بھی ہوگی اور نقصان بھی۔

اس پر اس نے فوراً افسرانِ اعلیٰ کو تار دیے کہ جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو اس شخص کا جو ہندوستان سے آیا ہے اندرونِ ملک میں داخل ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حکام نے یہی فیصلہ کیا کہ مسٹر صادق کے داخلہ امریکہ میں کوئی ہرج نہیں، انھیں چھوڑ دیا جائے۔

افسر متعلقہ نے اس حکم کی تعمیل میں ایک منٹ کی بھی دیر نہ لگائی۔ اور حضرت مفتی صاحب کو فوراً رہا کر دیا۔

خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور طاقتیں عجیب ہیں۔

۲۹۔ مسیح آسمان سے کس طرح اتریں گے؟

۱۹۲۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز چند خدام کے ساتھ بعض قومی اغراض کی خاطر گورنمنٹ ہند کے گرمائی صدر مقام شملہ تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب کو بھی ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ وہاں مختلف قومی خدمات کی انجام دہی میں مفتی صاحب کو بہت زیادہ مصروف رہنا پڑا۔ ایک دن تھوڑی سی فرصت نکال کر رومن کیتھولک چرچ کے لاٹ پادری صاحب کے پاس پہنچے۔ پادری صاحب اخلاق سے پیش آئے۔ کچھ رسمی اور ابتدائی گفتگو کے بعد حضرت مفتی صاحب نے پوچھا

صادق۔ پادری صاحب! آپ یسوع کے زمانہ کی تاریخ سے یقیناً خوب واقف ہوں گے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بتا سکتے ہیں کہ جب یسوع نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو اس دعوے کو سن کر یہود نے کیا جواب دیا؟

پادری صاحب۔ انھوں نے کہا ہم نہیں مانتے۔

صادق - آخر انھوں نے ایسا کیوں کہا؟

پادری صاحب - مسیح کو وہ لوگ ظاہری رنگ میں بادشاہ دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ ایسا نہ تھا اس لیے انھوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا تو جھوٹا ہے۔

صادق - بے شک ان کا جواب نہایت نامناسب اور کافرانہ تھا کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بتلا سکتے ہیں کہ یہ خبر پا کر کہ آنے والا مسیح آ گیا ہے آپ کی رائے میں ان کو کیا جواب دینا چاہیے تھا؟

پادری صاحب - ان کو فوراً کہنا چاہیے تھا کہ ہم آپ پر ایمان لائے کیونکہ ایمان میں ہی نجات ہے۔

صادق - بے شک آپ نے سچ فرمایا۔ لیکن ایک بات تو بتلائیے۔ اگر میں آپ کو خبر دوں کہ جس مسیح کے آنے کا اس وقت پھر آپ کو انتظار ہے وہ مسیح آ گیا ہے۔ تو آپ کیا جواب دیں گے؟

پادری صاحب - (ہنس کر) میں کیا جواب دوں گا؟ میں ایسے مدعی سے کہوں گا کہ ثبوت پیش کرو۔ بغیر ثبوت کے میں کیونکر مان لوں کہ تم ہی آنے والے مسیح ہو۔

صادق - بے شک آپ کا حق ہے کہ آپ ثبوت مانگیں۔ مگر یہود کے متعلق آپ نے نہ فرمایا کہ انھیں کہنا چاہیے تھا کہ "ثبوت لاؤ"۔ ان کے متعلق تو آپ نے یہی رائے دی کہ دعویٰ سنتے ہی اُن کو فوراً مان لینا چاہیے تھا۔

پادری صاحب - ہاں بے شک میں نے ایسا کہا مگر کچھ حرج نہ ہوتا اگر وہ لوگ مسیح سے ثبوت طلب کرتے۔

صادق - اچھا آرچ بشپ صاحب! اب میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں

کہ آنے والا مسیح آگیا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اسے قبول کریں۔ وہ غلام احمد کے نام سے قادیان میں مبعوث ہوا۔ میں نے اسے سچا اور راستباز پایا تو اسے مان لیا اور برسوں اس کی پاک صحبت میں رہا۔ اس نے بکثرت نشانات پیش گوئیوں میں۔ بیماروں کو تندرست کرنے میں۔ مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے میں۔ دعا کی قبولیت میں۔ اپنی اور اپنے دوستوں کی کامیابی میں۔ اپنے مخالف اور دشمنوں کی ناکامی میں۔ علمی تحریروں میں۔ عقلی دلائل میں دنیا کو دکھائے۔ اور اپنا کام پورا کرکے خدا کے پاس چلا گیا۔

پادری صاحب۔ مجھے ان نشانات کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو صرف ایک ہی نشان کافی ہے۔ اور وہ یہ کہ خداوند آسمان پر بیٹھا ہے اور آسمان ہی سے نازل ہوگا۔ اسے زمین پر اترتا ہوا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور فوراً اسے مان لیں گے۔

صادق۔ پادری صاحب! آپ بخوبی واقف ہیں اور ساری دنیا اس بات کو مانتی ہے کہ زمین گول ہے۔ اس لیے ایک ہی وقت میں سب جگہ کے لوگ مسیح کو آسمان سے اترتا ہوا کس طرح دیکھ سکیں گے؟ اور اگر ایشیا میں اترا تو امریکہ والے کس طرح اُسے مان لیں گے؟ امریکہ اور ایشیا کے سوال کو چھوڑیے۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ صرف ایک ملک کے ہی تمام باشندے بیک وقت اُسے آسمان سے اُترتا دیکھ سکیں۔ اور جب ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے اترتا نہ دیکھا تو پھر محض لوگوں کے کہنے سے ہم اس پر کس طرح ایمان لا سکیں گے۔ مہربانی کرکے اس سوال کو حل کیجیے اور مجھے سمجھائیے۔

پادری صاحب۔ بے شک یہ بہت مشکل سوال ہے اور بہت غور چاہتا ہے یہ کہہ کر پادری صاحب نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں مگر دل ہی

دل میں مفتی صاحب کے سوال کا جواب سوچتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد یکدم کہنے لگے "مجھے آپ کے سوال کا جواب آگیا ہے۔ سنیئے! آپ نے ٹھیک کہا کہ انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ بیک وقت سب جگہ اور تمام دنیا میں نمودار ہو سکے۔ لیکن مسیح کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہے اور خدا کے لیے یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ معجزانہ طور پر ہر جگہ بیک وقت نمودار ہو سکے۔ اور ساری دنیا کے آدمی اسے دیکھ سکیں۔ یورپ والوں کو بھی وہ نظر آ جائے۔ افریقہ میں بھی وہ ظاہر ہو جائے۔ امریکہ میں بھی وہ دکھائی دے اور ایشیا والے بھی اُس کی زیارت کر لیں"

یہ کہہ کر فوراً پادری صاحب فرمانے لگے "میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے زیادہ فرصت نہیں۔ اب آپ رخصت ہوں۔"

بات یہ ہے کہ خود پادری صاحب کو اپنے جواب کی کمزوری کا علم تھا۔ اس لیے فوراً ہی گفتگو کو ختم کر دیا تاکہ مفتی صاحب آگے سے کچھ نہ بول سکیں۔ اور وہ سمجھ لیں کہ میں نے بات کا جواب دے دیا۔ حالانکہ بات بالکل لغو تھی۔ خدا تو اب بھی ہر جگہ ہے اور ہر جگہ پاک لوگوں پر نمودار ہوتا ہے اور نمودار ہوتا رہے گا۔ اُس میں خاص وقت کی کوئی خصوصیت نہیں۔ وہ نہ صلیب دیا گیا۔ نہ جی اُٹھا۔ نہ آسمان پر گیا۔ وہ تو پہلے ہی سے آسمان و زمین دونوں جگہ موجود ہے۔ سوال تو صرف یسوع کے متعلق تھا۔ وہ ہر جگہ بیک وقت کس طرح نظر آ سکتا ہے۔ مگر پادری صاحب نے یہ جواب دینے کا مفتی صاحب کو موقع ہی نہ دیا۔ اور جلدی سے اندر چلے گئے۔

۳۰۔ پانی پی کے گیا

انگلستان میں شراب نوشی کی جس قدر کثرت ہے اس کی انتہا نہیں۔ لوگ پانی کی بجائے شراب پیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ جب حضرت مفتی صاحب

انگلستان میں تھے تو ان کے مکان کے قریب ہی ایک انگریز تاجر رہتے تھے۔ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کو زیادہ موقعے اس بات کے ملتے تھے کہ وہ ان کو وقتاً فوقتاً تبلیغ کرتے رہیں۔ ایک روز اثنائے گفتگو میں وہ تاجر صاحب حضرت مفتی صاحب سے پوچھنے لگے کہ "آپ کون سی شراب استعمال کیا کرتے ہیں"؟

صادق۔ ہم لوگ شراب بالکل نہیں پیتے۔ کیونکہ اسلام میں یہ جائز نہیں

تاجر۔ اچھا یہ بات ہے۔ تو پھر آپ یہ کام کیا کریں کہ بیر (Beer) پی لیا کریں۔ یہ بہت ہلکی شراب ہے۔ اور آپ کے لیے موزوں رہے گی۔ ایسی ہلکی شراب پی لینے میں تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ انگلستان میں سردی کی شدت کی وجہ سے شراب پینا نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر آدمی رہ نہیں سکتا۔

صادق۔ ہلکی اور تیز۔ معمولی اور اعلیٰ کا سوال نہیں۔ ہر قسم کی شراب ہمارے مذہب میں قطعی طور پر حرام ہے۔ ہم نہ بیر پیتے ہیں نہ کچھ اور

تاجر۔ اچھا تو کیا آپ نے ساری عمر میں کبھی شراب نہیں پی؟

صادق۔ ہاں میں نے کبھی ایک قطرہ بھی شراب کا نہیں چکھا۔

تاجر۔ (حیران ہوکر) جب آپ شراب نہیں پیتے تو پھر آخر کیا پیتے ہیں؟

صادق۔ پانی۔

تاجر۔ (حیرانگی کے ساتھ) صرف پانی!

صادق۔ ہاں صرف پانی۔

تاجر۔ (سنجیدگی کے ساتھ) میں آپ کو نہایت خیر خواہی سے نصیحت کرتا ہوں کہ اس ملک میں پانی پینا سخت مضر اور نہایت درجہ نقصان دہ بلکہ خطرناک

ہے۔ میرے باپ نے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ پانی پی لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسی دن مر گیا۔ میں نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی پانی نہیں پیا۔

صادق ۔ ہم تو ہر روز دن میں کئی کئی مرتبہ پانی پیتے ہیں۔ اور دیکھ لو آپ کے سامنے خدا کے فضل سے زندہ سلامت موجود ہیں۔

اس پر تاجر صاحب نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور کچھ چپ سے ہو گئے۔

۳۱۔ ایک سوتے ہوئے شخص کو تبلیغ

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب احمد آباد گئے۔ وہاں ایک گلی میں سے گذر رہے تھے کہ ایک مسجد دکھائی دی۔ حضرت مفتی صاحب اس کے اندر چلے گئے۔ تیسرے پہر کا وقت تھا۔ مسجد میں ایک صاحب معقول صورت اچھے کپڑے پہنے ہوئے پڑے سو رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کا دل چاہا کہ اس سوتے ہوئے شخص کو تبلیغ کرنی چاہیے۔ یہ سوچ کر آپ نے اسے جھنجھوڑا اور فرمایا میاں یہ سونے کا وقت ہے؟ اٹھو۔ دیکھو حضرت امام مہدی علیہ السلام تشریف لے آئے۔ دنیا جاگ گئی مگر تم ابھی تک سو ہی رہے ہو۔

معلوم ہوتا ہے وہ شخص بہت ہی بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے جھنجھوڑنے اور پیغام پہنچانے سے کچھ یونہی سا بیدار ہوا۔ اور نیند ہی کے دوران میں کہنے لگا "اچھا امام مہدی آ گئے۔ اچھی بات ہے۔" اور یہ کہہ کر پھر بے خبر پڑ کر سو رہا۔ حضرت مفتی صاحب نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ اور کہا میاں کیا سو رہے ہو۔ اٹھو حضرت مسیح موعود تشریف لے آئے" نیند ہی کی حالت میں وہ کہنے لگا۔ "اچھا مسیح موعود آ گئے۔ بہت اچھا ہوا" اور پھر سو گیا۔ تیسری مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے اسے پھر جگایا۔ "میاں سونے سے کیا بنے گا۔ اٹھو دیکھو اس زمانہ کا مجدد

آگیا اور تم غافل پڑے سو رہے ہو۔ وہ نیند ہی کی حالت میں کہنے لگا بڑی اچھی بات ہے۔ بہت اچھا۔ رات کو نیند نہیں آئی تھی۔ بہت نیند آرہی ہے۔ یہ کہا اور پھر غافل سو گیا۔ جب مفتی صاحب نے دیکھا کہ کسی طرح اٹھتا ہی نہیں۔ تو مجبوراً اسے سوتا چھوڑ کر چلے آئے۔

۳۲۔ ایک اہم سوال کا معقول جواب

حضرت مفتی صاحب نے اپنے ایک نہایت دلچسپ مناظرہ کا حال اپنی ایک یادداشت میں قلمبند فرمایا ہے۔ جو انہی کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"پچھلی جنگ یورپ کا واقعہ ہے کہ ۱۹۱۷ء میں انگلستان کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے لنڈن میں ایک لکچر دیا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم نے بطور خود جرمن پر حملہ نہیں کیا بلکہ حملہ اس کی طرف سے ہوا۔ ہم تو صرف اپنے بچاؤ کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر ہماری قوم کے لیے اس جنگ میں شریک ہونا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ وغیرہ وغیرہ انہی ایام میں ایک پادری جو میرے ساتھ عموماً مذہبی مناظرات کیا کرتا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ کیا آپ مذہب اسلام میں کوئی ایسی خوبی بتلا سکتے ہیں جو عیسائی مذہب میں نہ پائی جاتی ہو؟ میں نے کہا "یقیناً میں بڑی آسانی سے آپ کو اسلام کی ایسی خوبی بتلا سکتا ہوں۔ سنیئے! کیا آپ نے لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان کا وہ لکچر نہیں سنا۔ جس میں انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزوں کے لیے جرمنی کے خلاف جنگ کرنا اس لیے جائز اور ضروری ہے کہ وہ کسی پر از خود حملہ نہیں کر رہے ہے۔ بلکہ اُن پر جو حملہ ہوا ہے اس کی مدافعت کر رہے ہے

ہیں۔

میں نے اس پادری سے کہا کہ اب آپ ذرا اس معاملہ کو اپنے یسوع مسیح کے سامنے پیش کریں اور اُس سے پوچھیں کہ" بابا یسوع! جرمن ہم پر خود حملہ کر کے آیا اور ہمیں تباہ اور غارت کر دینا چاہا۔ اب ہم کیا کریں؟" بابا یسوع کہتا ہے کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر۔ اگر کوئی تیرا کوٹ مانگتا ہے تو کرتہ بھی اُتار کر اُسے دیدے۔ اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو تو دو کوس چلا جا۔ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا بھی آگے کر دے۔

پس انگریز اور ان کے اتحادی اگر یسوع کی تعلیم پر عمل کرتے تو ان کو چاہیے تھا کہ جرمنوں نے جس وقت ان پر حملہ کیا تھا تو ان سے کہتے کہ اگر تم بلجیم مانگتے ہو تو شوق سے لے لو بلکہ اس کے ساتھ فرانس بھی لے لو۔ اور اگر فرانس چاہتے ہو تو اس کے ساتھ انگلستان بھی لے لو۔ لیکن انگریزوں نے ایسا نہ کیا۔ کیونکہ ان کو اس موقع پر یسوع کی تعلیم ناقص معلوم ہوئی۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو انھوں نے اس بارہ میں زیادہ عمدہ اور واجب العمل پایا۔ اور اسی کو اختیار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اس معاملہ میں یہ ہے کہ تم خود کسی پر حملہ نہ کرو۔ لیکن اگر کوئی تم پر حملہ کرتا ہے تو بے شک اپنا بچاؤ کرو۔ پس آپ کو اور تمام عیسائی دنیا کو تسلیم کرنا چاہیے کہ کم از کم اس معاملہ میں آپ لوگوں کا طریقِ عمل اسلام کے موافق ہے نہ کہ عیسائیت کے مطابق۔

میرا خیال ہے کہ میں نے بہت اچھی طرح سے آپ کی بات کا جواب دیدیا ہے۔ اور آپ کی خدمت میں کم از کم ایک خوبی ایسی پیش کر دی ہے جو اسلام میں ہے مگر عیسائیت میں نہیں پائی جاتی۔

میری اس گفتگو کو سن کر وہ پادری کہنے لگا کہ بے شک آپ کی یہ دلیل

زبردست ہے۔ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ جو خوبی اس وقت آپ نے اسلام میں بتائی ہے عیسائیت کا دامن اس سے خالی ہے۔

۳۳۔ ایک دہریہ سے دلچسپ گفتگو

لندن کے قیام کے دوران میں ایک دن ایک بڑا دلچسپ مباحثہ حضرت مفتی صاحب کا ایک دہریہ سے خدا کی ہستی کے متعلق ہوا۔ جسکی پر لطف کیفیت انھی کے الفاظ میں ہدیۂ ناظرین ہے:۔

لندن کے وسط میں ہائیڈ پارک کے نام سے ایک بہت بڑا باغیچہ دو تین میل میں پھیلا ہوا ہے۔ جہاں لوگ شام کے وقت سیر و تفریح کے لیے بہت کثرت سے جاتے ہیں۔ اور ایک بڑا بھاری میلا سا لگ جاتا ہے۔ اس انبوہ اور مجمع سے فائدہ اٹھا کر اکثر پادری۔ مقرر اور لیڈر وہاں کھڑے ہو کر مذہبی علمی اور سیاسی تقریریں کیا کرتے ہیں۔ اور لوگ کھڑے کھڑے ان کو شوق اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔ سامعین میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو تقریروں پر اعتراض کرتے ہیں۔ یا کوئی نیا مسئلہ پیش کر کے اسے سمجھنا چاہتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا مقصد محض تفریحاً لکچرار یا واعظ کو تنگ کرنا ہوتا ہے اور بس۔ میں بھی اکثر سیر کرنے یا تبلیغ کرنے اس سیر گاہ میں چلا جایا کرتا تھا۔ ایک پادری صاحب تھے ان سے میری شناسائی ہو گئی تھی۔ وہ بھی وہاں آیا کرتے تھے اور عیسائیت کی تبلیغ کے متعلق لکچر دیا کرتے تھے۔ میری بھی اکثر ان سے مختلف مسائل پر بحث ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن جو میں وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی پادری صاحب کھڑے ہیں اور اُن کے گرد لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہے۔ اور بڑا غل و شور بپا ہو رہا ہے۔ پادری صاحب لمبے قد کے آدمی تھے اور مجمع میں

کھڑے ہوئے نمایاں نظر آتے تھے۔ اُنھیں پہچان کر میں آگے بڑھا اور مجمع میں گھس کر معلوم کرنا چاہا کہ کیا واقعہ ہے؟ پتہ لگا کہ یہ سارے کے سارے دہریے ہیں اور انھوں نے اپنے منطقی سوالوں سے پادری صاحب کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اور بیچارے بہت ہی پریشان ہو رہے ہیں۔ نہ بھاگتے بن پڑتی ہے نہ کھڑا رہنا ممکن ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگرچہ پادری صاحب ہمارے سخت مخالف ہیں۔ مگر جو لوگ اس وقت ان کو تنگ کر رہے ہیں وہ جیسے اُن کے دشمن ہیں ویسے ہی ہمارے بھی دشمن ہیں۔ لہٰذا ایسے وقت میں ضرور پادری صاحب کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ خیال کر کے میں بھیڑ میں گھسا اور بلند آواز سے پادری صاحب کی حمایت میں چند الفاظ کہے۔

جب پادری صاحب نے مجھے دیکھا تو فوراً آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ اور دہریوں کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ "دیکھو تم لوگ اتنی دیر سے ناحق مجھے تنگ کر رہے ہو۔ اگر تم میں مناظرہ کی طاقت ہے تو اس شخص سے مناظرہ کرو۔ یہ مسلمانوں کا بہت بڑا عالم ہے اور اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے ہندوستان سے یہاں آیا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر پادری صاحب خود تو پیچھے ہٹ گئے اور مجھے ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔

دہریوں کا جو غول وہاں جمع تھا اُن کو اس سے کیا غرض تھی کہ کوئی عیسائیت کا مشنری ہے یا اسلام کا مبلغ۔ انھیں تو تفریح طبع کے لیے ایک آدمی چاہیے تھا۔ پادری صاحب کا پیچھا چھوڑ کر میرے سر ہو گئے۔ اور کہنے لگے "آیئے صاحب آیئے۔ ہم بڑی خوشی کے ساتھ آپ سے بحث کرنے کو تیار ہیں۔" اور اس کے بعد مجمع میں سے ہر شخص اپنی اپنی بولیاں بولنے لگا۔

میں نے کہا" آپ مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں، لیکن آپ نے اس وقت یہ کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ ہر شخص بولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھ اکیلے کے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ بیک وقت سب کو جواب دے سکوں۔ آپ لوگ اگر سنجیدگی اور معقولیت سے بحث کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صحیح اور درست شکل یہ ہے کہ آپ باہم مشورہ کر کے اپنے میں سے ایک شخص منتخب کر لیں جو مجھ سے بحث کرے۔ باقی سب لوگ خاموشی کے ساتھ ہم دونوں کی گفتگو سنتے رہیں"۔

اس پر وہ لوگ کہنے لگے " ہاں یہ ٹھیک بات ہے"۔ یہ کہہ کر انھوں نے بحث کرنے کے لیے اپنے میں سے ایک ہوشیار شخص کو آگے کر دیا۔ میں نے اس سے پوچھا

صادق۔ کیا آپ ان سب لوگوں کے نمائندہ ہیں جو اس وقت یہاں تشریف رکھتے ہیں؟

دہریہ۔ جی ہاں! سارے مجمع نے مجھے ہی آپ سے بحث کرنے کے لیے انتخاب کیا ہے۔

صادق۔ اچھا تو فرمائیے۔ آپ کا سوال کیا ہے؟

دہریہ۔ کیا آپ مانتے ہیں کہ کوئی خدا ہے؟

صادق۔ بے شک میں مانتا ہوں اور دل سے یقین کرتا ہوں کہ خدا ہے۔

دہریہ۔ اگر آپ خدا کے وجود کے قائل ہیں تو پھر مہربانی فرما کر مجھے خدا کو دکھا دیجیے۔ تاکہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ کر آپ کی بات کا یقین کر دوں۔

صادق۔ کیا آپ بغیر اپنی آنکھ سے دیکھے کسی بات کو نہیں مانا کرتے؟

دہریہ۔ ہرگز نہیں۔ میں کسی ایسی ہستی کے وجود کو کبھی بھی نہیں مان سکتا

جس کو خود نہ دیکھ لوں۔

صادق - کیا آپ اپنی اس بات پر قائم رہیں گے ؟

دہریہ - یقیناً ہمیشہ قائم رہوں گا۔ بغیر آنکھ سے دیکھے میں کسی چیز کو ہرگز نہیں مان سکتا۔

صادق - میں ہندوستانی ہوں اور ہندوستان سے آیا ہوں۔ میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ ہندوستان ایک ملک ہے جو میں نے دیکھا ہے مگر آپ نے نہیں دیکھا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں کہ ہندوستان ایک ملک ہے۔

دہریہ - ہاں میں مانتا ہوں کہ ہندوستان ایک ملک ہے۔ مگر اس لیے نہیں کہ آپ کہتے ہیں بلکہ اس لیے کہ سینکڑوں لوگ یہاں سے ہندوستان گئے اور اسے دیکھ کر آئے اور انھوں نے ہمیں بتلایا کہ ہندوستان ایک ملک ہے

صادق - اچھا تو آپ اپنی پہلی دلیل پر قائم نہ رہے۔ پہلے تو آپ یہ فرماتے تھے کہ میں ہرگز کسی ایسی چیز کو نہیں مان سکتا جسے آپ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ لیکن اب آپ اس دلیل سے نیچے اتر آئے ہیں اور آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ جس چیز کو سینکڑوں لوگوں نے دیکھا ہو اسے بھی مان لینا چاہیے۔

دہریہ - بے شک میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اپنی پہلی بات پر قائم نہیں رہا۔

صادق - امید ہے کہ اب آپ اپنی دوسری بات پر بھی قائم نہیں رہیں گے۔ اول تو میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ آپ خدا کے منکر ہیں۔ اس لیے آپ بے ساختہ جھوٹ بول جاتے ہیں۔ اور آپ کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

دہریہ - (حیرت کے ساتھ) میں نے کیا جھوٹ بولا ؟

صادق۔ سنیئے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی انگلستان سے ہندوستان ہو آئے ہیں۔ لیکن میں یہ بھی ماننے کے لیے تیار نہیں کہ وہ تمام کے تمام آپ کو آکر بتا گئے ہیں کہ ہندوستان ایک ملک ہے اور ہم اسے دیکھ کر آئے ہیں۔ اور وہ ایسا ایسا ہے۔ لیکن خیر میں اس بات کو جانے دیتا ہوں اور تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کیے لیتا ہوں کہ ہندوستان سے آنے والے ہر شخص نے آکر آپ کو ہندوستان کی خبر دی۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے اِس امر پر غور فرمائیں کہ ہندوستان جانے والے اور وہاں سے واپس آکر آپ کو اس کے متعلق بتلانے والے عموماً ایسے افراد اور اشخاص تھے جن سے آپ ذاتی طور پر واقف نہیں۔ نہ آپ کو یہ پتہ ہے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ معتبر ہیں یا غیر معتبر۔ لیکن ان کے بالمقابل میں آپ کے سامنے مختلف ملکوں۔ مختلف قوموں اور مختلف زمانوں کے ایسے صدہا انبیاء۔ اولیاء اور بزرگ اصحاب کے نام پیش کر سکتا ہوں جن کے متعلق دوست تو دوست دشمن اور مخالف بھی گواہی دیتے ہیں کہ وہ سچے۔ راستباز اور نہایت نیک لوگ ہیں اور یہ نیک لوگ بڑے زور سے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے خدا کو دیکھا اور اس سے ہمکلام ہوئے۔ اب ذرا انصافاً غور فرمائیے کہ اگر آپ ہندوستان کی بابت ایسے لوگوں کی گواہی قبول کر لیتے ہیں جن سے آپ قطعاً ناواقف ہیں تو کیا ایسے نیک۔ صالح اور راستباز لوگوں کی گواہی خدا کے متعلق قابلِ قبول نہیں ہو سکتی؟

دہریہ۔ میں ان کی گواہی اس لیے قبول نہیں کر سکتا کہ وہ لوگ مجھے خدا کو دکھا نہیں سکتے! اور نہ میں خود اسے دیکھ سکتا ہوں برخلاف اس کے اگر میں ہندوستان کو دیکھنا چاہوں تو خود جا کر دیکھ سکتا ہوں۔ اس واسطے اُن ناواقفوں کی گواہی کو میں نے قبول کر لیا۔

صادق۔ اب آپ نے اپنی دوسری دلیل بھی چھوڑ دی۔ اور اس سے نیچے اُتر آئے کہ سینکڑوں آدمیوں کی بات بھی اس وقت قابلِ قبول ہو سکتی ہے جبکہ آپ خود جاکر اُس چیز کو دیکھ لیں۔

دہریہ۔ ہاں یہ ضروری ہے۔

صادق۔ اچھا تو آپ بتلائیے کہ ہندوستان آپ کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟

دہریہ۔ اگر میں ٹامس کُک کمپنی کے پاس جاؤں اور ہندوستان کا ٹکٹ خریدوں اور پھر جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان چلا جاؤں تو ہندوستان کو دیکھ کر آ سکتا ہوں۔

صادق۔ تو ہندوستان دیکھنے کے لیے آپ کو اپنی ملازمت سے کم از کم تین ماہ کی رخصت لینی پڑے گی اور اندازاً دو ہزار روپیہ کا انتظام کرنا ہو گا۔ اور سفر کے لیے کمپنی کی ہدایات پر کاربند ہونا پڑے گا۔

دہریہ۔ بے شک یہ سب باتیں کرنی پڑیں گی۔

صادق۔ کیا آپ خدا کو دیکھنے کے واسطے کم از کم اتنا بھی وقت اور روپیہ لگانے کے لیے تیار نہیں جس قدر آپ کو ہندوستان دیکھنے کے لیے خرچ کرنا پڑے گا۔ آپ اپنے کاروبار سے تین مہینے کی رخصت حاصل کریں۔ اور دو ہزار روپیہ لے آئیں۔ اور ٹامس کُک کی بجائے میری ہدایات پر عمل کریں۔ اور تین ماہ میرے پاس رہیں۔ اس عرصہ میں اگر آپ خدا کو نہ دیکھ سکیں تو بجائے دو ہزار کے چار ہزار روپیہ میں آپ کو ادا کر دوں گا۔ آپ ایسا کرنے کے لیے تیار ہیں؟ سوچ کر جواب دیں۔

میں نے اس دہریہ سے یہ بات نہایت سچے دل کے ساتھ کہی تھی۔ اور

میرا یقین تھا کہ اگر وہ تین مہینے تک ہماری صحبت میں رہے گا اور ہماری ہدایات کے مطابق کتابوں کا مطالعہ کرے گا تو ہم اُس کے لیے دعا کریں گے، احباب سے کرائیں گے اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حضور دعا کے لیے لکھیں گے تو یقین ہے کہ وہ ضرور اس عرصہ میں خدا کو دیکھ لے گا۔ اور اس کی ہستی کا قائل ہو جائیگا

مگر میری اس بات پر دہریہ ہنسا اور کہنے لگا افسوس میرے حالات ایسے نہیں کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے پاس آکر رہنے لگوں۔ اور تین مہینے کا عرصہ اس طرح گذاروں۔ لیکن نا انصافی ہوگی اگر میں علی الاعلان اس بات کا اظہار نہ کروں کہ آپ کے دلائل زبردست ہیں اور کم از کم میں ان کو نہیں توڑ سکتا۔"

۳۴-ابوموسیٰ سے ملاقات

جب ۱۹۱۴ء میں حضرت مفتی صاحب بغرض تبلیغ کلکتہ میں مقیم تھے تو ایک دن کوئی مولوی صاحب مفتی صاحب سے راہ میں ملے۔ دونوں میں جو گفتگو ہوئی وہ ایک لطیفہ کا رنگ رکھتی ہے۔ اس لیے نذر ناظرین ہے:۔

صادق۔ جناب کا اسم مبارک؟

مولوی صاحب۔ ابوموسیٰ۔

صادق۔ خوب! عجیب نام ہے۔ مگر یہ تو بتائیے کہ آپ پر علمائے کرام اور مفتیانِ عظام نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا؟

مولوی صاحب۔ (بہت تعجب کے ساتھ) کیوں میں نے کیا کیا مجھ پر کفر کا فتویٰ کیوں لگتا؟

صادق۔ (بہت سنجیدگی کے ساتھ) اس سے زیادہ کفر کے فتویٰ کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپنے "موسیٰ کے باپ" بننے کا دعویٰ کیا۔

اس پر مولوی صاحب بہت ہنسے اور فرمانے لگے کہ بھئی اس سے پہلے بھی تو کئی بزرگ اس نام کے گذر چکے ہیں۔ میں نے بھی یہ نام رکھ لیا تو کونسا غضب آگیا

صادق۔ ہوئے ہوں گے۔ مگر حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خدا کی طرف سے الہام پا کر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو سارے ملک میں آگ لگ گئی اور یہاں سے لے کر عرب تک کفر کے فتووں کی وہ بھرمار ہوئی کہ خدا کی پناہ۔

مولوی صاحب۔ اب تو مجھے ذرا ایک ضروری کام جانا ہے۔ پھر کبھی مکان پر حاضر ہوں گا۔ اچھا خدا حافظ۔

۳۵۔ دیوتا اور ہندوستان

۱۹۱۰ء میں ایک تبلیغی دورے سے واپس آتے ہوئے چڑیا کوٹ کے قریب ایک ہندو نوجوان ریل میں حضرت مفتی صاحب کے قریب آ بیٹھا حضرت مفتی صاحب نے معقول اور سنجیدہ اور شریف آدمی دیکھ کر اسے تبلیغ کرنی چاہی اور دونوں میں مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

صادق۔ آپ کا مذہب کیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ہندوؤں کے کونسے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

ہندو۔ میں سناتن دھرم کا پیرو ہوں۔

صادق۔ دیوتاؤں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ کون تھے۔ انسان یا خدا؟

ہندو۔ ہم لوگ انھیں ایشور کا اوتار سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر کرشن جی اور رام چندر جی کو۔

صادق۔ مگر ان کی زندگی میں ہم کو بعض ایسے واقعات نظر آتے ہیں جن سے ماننا پڑتا ہے کہ کم از کم اُس وقت وہ ایشور نہ تھے۔ بات یہ ہے کہ ایشور کبھی اپنی صفات سے جدا نہیں ہوتا۔ مگر رامچندر جی جنگل میں سیتا کو آوازیں دیتے پھرے۔ اور تلاش کرتے رہے۔

ہندو۔ اس میں ایک مصلحت تھی۔

صادق۔ ممکن ہے مصلحت ہو۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اوتاروں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بجلی بعض ذرائع سے ایک تار کے اندر ڈال دی جاتی ہے تو اس وقت وہ تار دوسرے معمولی تاروں کی طرح نہیں رہتا بلکہ ایک نئی چیز بن جاتا ہے۔ اور اس سے ایسے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں جو دیگر معمولی تاروں سے نہیں ہو سکتے۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ دوسرے ٹکڑوں کی طرح یہ بھی ایک تار ہے۔ لیکن ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ تار بجلی بن گیا ہے اور دنیا بھر میں جو بجلی ہے وہ اس کے اندر گھس گئی ہے۔ بلکہ سچ بات یوں ہے کہ بجلی بجائے خود اپنی جگہ قائم ہے اور اس کی طرف سے ایک خاصیت اس ٹکڑے کو عطا ہوئی ہے۔ بالکل اسی طرح خدا کے پیارے بندوں پر ایک الوہیت کی چادر ڈالی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسان نہیں کر سکتے۔ لیکن اس سے وہ خدا نہیں بن جاتے۔ خدا اپنی ذات میں دائم قائم اور ازلی و ابدی ہے۔ اب فرمائیے کہ میں نے جو بات عرض کی اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

ہندو۔ آپ نے جو فرمایا بالکل درست ہے۔ دل اس بات کو قبول کرتا ہے۔

صادق۔ اچھا اب میں آپ سے ایک اور بات پوچھتا ہوں۔ یہ بتلائیے

کہ دیوتا صرف ہندوستان ہی میں ہوئے ہیں یا دوسرے ملکوں میں بھی؟ خدا تعالیٰ کی مخلوق ہر جگہ اور ہر ملک میں موجود ہے۔ جیسی ہند کی مخلوق خدا کو پیاری ہے ایسے ہی تمام دوسرے ملکوں کی مخلوق کو خدا عزیز رکھتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو دوسرے ملکوں میں بھی انصافاً دیوتا ہونے چاہییں۔

ہندو۔ بے شک یہ معقول بات ہے اور میں مانتا ہوں کہ دوسرے ملکوں میں بھی دیوتا ہوئے ہوں گے۔

صادق۔ ہاں سچی بات یہی ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی دیوتا ہوئے ہیں۔ عرب اور شام کے علاقوں میں بھی دیوتا گذرے ہیں۔ اُن کو اس ملک کی بولی میں نبی اور رسول کہتے ہیں۔ اُنہی میں سے ایک رسول محمد نام ہوے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کا وطن عرب تھا۔ ان کو بھی ضرور ماننا چاہیے۔

ہندو۔ بے شک سب دیوتا ماننے کے قابل ہیں چاہے وہ کسی ملک میں ہوئے ہوں۔

صادق۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا ہمارے اس زمانہ میں بھی کوئی دیوتا ہوا ہے یا نہیں؟

ہندو۔ ہوں گے تو ضرور۔ مگر نظر نہیں آتے۔ اور مخفی ہیں۔

صادق۔ ممکن ہے آپ کا کہنا ٹھیک ہو۔ مگر ایک دیوتا ایسا بھی ہے جو ظاہر ہو گیا ہے۔

ہندو۔ (بڑے شوق سے) جلدی بتلائیے کہ وہ کہاں اور کس جگہ میں اور ان کا نام کیا ہے؟

صادق۔ ان کا نام احمد تھا اور وہ پنجاب کے ایک مقام قادیان میں گذرے ہیں۔ ان کے انتقال کو تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔

ہندو۔ ان کے حالات کے متعلق کیا آپ مجھے کچھ بتائیں گے ؟

صادق۔ قادیان پہنچ کر میں آپ کو ایک کتاب بھیجوں گا جس سے آپ کو سارے حالات معلوم ہو جائیں گے۔

۳۶۔ مسیح کی آمدِ ثانی

ایڈونٹیسٹ (Advantist) عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لوگ دوسرے عیسائیوں کے برخلاف بجائے اتوار کے ہفتہ کو عبادت کا دن مانتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح بہت ہی جلد واپس تشریف لانے والے ہیں۔ جب حضرت مفتی صاحب ۱۹۱۷ء میں تبلیغ کے لیے بنگال میں مقیم تھے تو ایک روز کلکتہ کے بازار میں جاتے ہوئے اس فرقہ کے تین واعظوں سے حضرت مفتی صاحب کی مُٹھ بھیڑ ہو گئی۔ گفتگو حسب ذیل ہوئی :۔

صادق۔ آپ لوگ مسیح کی آمدِ ثانی کے منتظر ہیں ؟

واعظ۔ ہاں ہم لوگ منتظر ہیں۔ اور بہت ہی جلد وہ تشریف لانے والے ہیں۔

صادق۔ کیا اس کے لیئے آپ کوئی تاریخ یا سال مقرر کر سکتے ہیں ؟

واعظ۔ بالکل ٹھیک طور پر تو نہیں بتا سکتے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ وہ بہت ہی جلد آئے گا۔

صادق۔ کیا اس کے آنے کی علامات پوری ہو گئی ہیں ؟

واعظ۔ ہاں بہت سی علامات ظاہر ہو گئی ہیں۔

صادق۔ آپ کیا خیال کرتے ہیں کہ یہ آمدِ ثانی روحانی ہو گی۔ یا جسمانی طور پر وہی مسیح دوبارہ آئے گا جو انیس سو برس پہلے اس زمین پر چلتا پھرتا تھا۔

واعظ۔ وہی پہلا مسیح آئے گا۔ بعینہ وہی آئے گا۔ کچھ فرق نہیں ہو گا۔ مگر اس وقت تو ہمیں فرصت نہیں۔ یہ ہمارا کارڈ ہے۔ آپ ہمارے مکان پر تشریف لائیں۔ وہاں مفصل گفتگو ہو گی۔

صادق۔ اس کارڈ کے لیے شکریہ۔ ضرور کسی وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ مگر اتنی بات مختصر طور پر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح نے خود اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر کسی شخص کا آسمان پر جانا مانا جاتا ہو اور پھر اس کا دوبارہ زمین پر آنا بھی تسلیم کیا جاتا ہو تو وہ دوبارہ آنا کس رنگ اور کس طریقہ کا ہوتا ہے؟

واعظ۔ کہاں فیصلہ کیا ہے؟ ذرا مہربانی فرما کر بتائیے۔

صادق۔ انجیل میں علمائے یہود کا قصہ موجود ہے جنھوں نے یسوع سے سوال کیا تھا کہ "مسیح کے آنے کی علامت تو ہماری کتبِ مقدسہ میں یہ لکھی ہے کہ اس کے آنے سے قبل الیاس نبی جو آسمان پر چلا گیا تھا۔ وہ دوبارہ زمین پر آئے گا۔ سو اگر آپ مسیح ہیں تو فرمائیے کہ وہ الیاس کہاں ہے؟ جسے دیکھ کر ہم آپ کی تصدیق کریں"۔ اس پر یسوع نے ان کو جواب دیا تھا کہ "یوحنا نبی جو جنگل میں وعظ کرتا ہے۔ یہی الیاس ہے"۔ یہودیوں نے پھر کہا کہ "ہم یوحنا کو جانتے ہیں۔ اس کے ماں باپ کو جانتے ہیں۔ وہ الیاس کس طرح ہو گیا جو ہمارے سامنے پیدا ہوا اور آسمان سے نہیں آیا"۔ یسوع نے کہا کہ "الیاس یوحنا کی روح اور طاقت میں آیا ہے۔ جو چاہے اسے مان لے اور پھر میری تصدیق کرے"۔ یہود سے یہ فرما کر حضرت مسیح نے گویا خود فیصلہ کر دیا کہ اگر کسی نبی کی دوبارہ آمد کا انتظار ہو تو اس کا دوبارہ آنا اس طرح ہوا کرتا ہے جس طرح الیاس کا آنا یوحناؑ (یحییٰ) نبی کے وجود سے ظہور میں آیا۔ انجیل میں یہ قصہ فضول درج نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کی حقیقی غرض یہ ہے کہ اس

پیرایہ میں حضرت مسیح اپنی دوبارہ آمد کا طریقہ بتا رہے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں دھوکہ نہ کھائیں۔ حضرت مسیح نے جس سنتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اگر وہ غلط ہے تو پہلی آمد بھی مشتبہ ہو جائے گی

واعظ۔ مگر مسیح نے تو یہ کہا کہ میں خود آؤں گا۔

صادق۔ یہی سوال تو یہود کا بھی تھا کہ ہماری کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ کوئی شخص الیاس کی مانند آئے گا۔ بلکہ وہاں خود الیاس کا آنا لکھا ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ آنے والا شخص لازماً اس صورت شکل میں آئے جو آپ کے ذہن میں ہے۔ پنجاب کے قصبہ قادیان میں ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ایک بزرگ گذرے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب آپ کا اسم گرامی تھا۔ انھوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

واعظ۔ او! میں جانتا ہوں۔ احمدیہ مودمنٹ! کیا آپ بھی اس تحریک سے تعلق رکھتے ہیں؟

صادق۔ ہاں میں احمدی ہوں۔ اور حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود یقین کرتا ہوں۔

واعظ۔ بہت دلچسپی کی بات۔ آپ یہاں کب سے ہیں اور کتنی مدت اور قیام کا ارادہ ہے؟

صادق۔ ایک ماہ سے زیادہ ہوا جب پہلے یہاں آیا تھا۔ مگر متواتر یہاں نہیں رہا۔ اب انشاء اللہ ایک ماہ سے زیادہ رہوں گا۔

واعظ۔ اچھا یہاں سے ہم گاڑی پر سوار ہوں گے۔ پھر ملاقات ہو گی۔ گڈ نائٹ۔

۳۷۔ پودے اور مُرید

جلسہ سالانہ ۱۹۲۵ء کے موقع پر حضرت مفتی صاحب نے جو تقریر "ذکرِ حبیب"

پر فرمائی اس میں یہ لطیفہ بھی بیان کیا۔ کہ "۱۹۰۵ء میں زلزلہ کی پیشگوئی کی بنا پر ہم لوگ حضرت صاحب کے باغ میں چلے گئے تھے۔ باغ کا انتظام حضرت میر ناصر نواب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت میر صاحب نے حال میں وہاں چند چھوٹے چھوٹے پودے لگوائے تھے۔ جنھیں لوگوں کے اِدھر اُدھر پھرنے سے نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اور حضرت میر صاحب اس سے ناراض ہوتے تھے۔ ایک دن حضرت خلیفۂ اولؓ اور مولوی عبدالکریمؓ اور کئی دوست ایک جگہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت میر صاحب بھی آ گئے اور آتے ہی فرمانے لگے کہ ہم نے چند پودے باغ میں بڑی احتیاط سے لگائے تھے۔ جو لوگوں کی بے احتیاطی سے اب خراب ہو جائیں گے۔ حضرت خلیفۂ اول نے بے ساختہ جواب دیا کہ "میر صاحب! آپ کو اپنے پودے پیارے ہیں اور مرزا کو اپنے مرید پیارے ہیں۔"

۳۸۔ مختلف اخلاق کے پادری

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ پادری لوگ نرم مزاج۔ ملنسار اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ اگر ان سے سختی سے بھی بات کی جائے تو ہنس کر جواب دیتے ہیں لیکن بعض بعض بڑے اکھڑ اور تند خو بھی ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے ایک پادری صاحب سے حضرت مفتی صاحب کو امریکہ میں واسطہ پڑا۔ واقعہ یہ ہوا کہ امریکہ میں آباد شدہ ایک عرب نے ایک امریکن لیڈی سے شادی کر لی۔ مگر وہ عورت مسلمان نہیں ہوئی۔ اور عیسوئیت پر پختہ رہی۔ ایک مرتبہ اس کے عرب شوہر نے حضرت مفتی صاحب کو خط لکھا کہ دو چار دن کے لیے میرے پاس ہو جائیں۔ خیر مفتی صاحب وہاں گئے اور لیڈی کو اسلام کی تبلیغ کی۔ اُس نے کہا کہ میں تو آپ کو جواب دے نہیں سکتی

مگر اپنے پادری صاحب کو بُلاتی ہوں وہ آپ سے گفتگو کریں گے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "ہاں یہ ٹھیک ہے۔ آپ اپنے پادری کو بلالیں۔"

چنانچہ پادری صاحب تشریف لائے اور گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "پادری صاحب! کفارہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک کھائے دوسرے کا پیٹ بھر جائے۔ یہ بات انسانی عقل سے بالا ہے۔" اس پر پادری صاحب کو یکدم غصہ آگیا اور وہ نہایت ناراض ہو کر کہنے لگے "اگر تم کفّارہ پر ایمان نہ لاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے۔ جہنم میں۔"

حضرت مفتی صاحب نے نرمی سے جواب دیا "پادری صاحب! یہ اخلاق مسیح کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ جن کا مظاہرہ آپ نے اس وقت کیا۔ رہ گیا جہنم میں جانا۔ تو افسوس کہ جہنم آپ کے اختیار میں نہیں کہ جسے چاہیں آپ جہنم میں جھونک دیں۔ اگر دوزخ آپ کے اختیار میں ہوتی تو پھر آپ کا جو دل چاہتا کہتے۔ لیکن وہ صرف خدا کے اختیار میں ہے۔

پادری صاحب کی بلاوجہ یہ سخت کلامی دیکھ کر وہ لیڈی صاحبہ نہایت رنجیدہ ہوئیں اور حضرت مفتی صاحب سے بہت معذرت کی اور کہنے لگیں کہ "مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ اتنا بد زبان ہے۔ ورنہ میں اسے ہرگز نہ بلاتی۔ مجھے آپ سے بڑی شرمندگی ہو رہی ہے۔"

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "نہیں! آپ اس کا بالکل خیال نہ کریں۔ ہم تو ایسی باتیں سننے کے عادی ہیں۔ خیر اس ذکر کو چھوڑیں اور یہ بتلائیں کہ یہاں کوئی اور پادری صاحب بھی ہیں۔؟"

لیڈی نے کہا "ہاں! یہاں کے بڑے گرجا میں جو پادری ہے میرے

خیال میں نہایت لائق اور فاضل ہے۔"

حضرت مفتی صاحب اُس پادری سے اکیلے جا کر ملے۔ اور اپنا تعارف کرایا۔ وہ پادری صاحب حضرت مفتی صاحب سے نہایت تپاک اور خاطرداری سے پیش آئے اور فرمانے لگے " شام کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں "حضرت مفتی صاحب نے وعدہ کیا اور واپس چلے گئے۔ جب شام کو دعوت پر گئے تو دیکھا کہ پادری صاحب اور ان کی بیوی نے نہایت پرتکلف طریقہ پر دعوت کا انتظام کر رکھا ہے۔ اور بڑی ہی خاطرداری اور اخلاق کے ساتھ انھوں نے کھانا کھلایا۔

دوسرے دن بازار میں ایک اور پادری صاحب سے ملاقات ہوگئی وہ فرمانے لگے کہ "کیا آپ اتوار تک یہاں ٹھیر سکتے ہیں؟" حضرت مفتی صاحب نے جواباً پوچھا کہ "آپ نے یہ کیوں دریافت فرمایا؟" پادری صاحب نے جواب دیا "میں اپنے گرجا میں اتوار کے دن آپ کا لکچر کرانا چاہتا ہوں اگر آپ اتوار تک ٹھیر سکیں اور لکچر دینا قبول فرمائیں تو میں اس عنایت کے لیے نہایت شکر گذار ہوں گا۔"

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "میں تو صرف اسلام پر لکچر دے سکتا ہوں آپ اور آپ کے سامعین اگر اسے سننا گوارا فرمائیں تو میں بڑی خوشی سے اتوار تک ٹھیرنے کے لیے تیار ہوں۔

پادری صاحب نے کہا "بے شک آپ اسلام پر لکچر دیں ہمیں اس لکچر سے اسلام کے متعلق نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اتوار کے دن اُس گرجا میں جا کر اسلام پر لکچر دیا جو تمام لوگوں نے توجہ کے ساتھ سنا اور نہایت شکریہ ادا کیا۔ لکچر کے بعد پادری صاحب نے سامعین

کو مخاطب کر کے فرمایا۔" یہ ڈاکٹر صاحب بڑی دور سے آئے ہیں اور میری
درخواست پر انھوں نے یہاں لیکچر دینا منظور کیا۔ پس آپ لوگوں پر لازم
ہے کہ کم از کم سفر خرچ میں ان کی امداد کریں۔ چنانچہ اسی وقت لوگوں نے
چندہ کر کے کچھ رقم مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کر دی۔

۳۹۔ خدائی تصرف

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے لاہور کی پنجاب پبلک
لائبریری میں ایک کتاب دیکھی جس میں یوز آسف کے نام پر ایک گرجا کا
حوالہ دیا گیا تھا۔ مفتی صاحب نے اس کا ذکر قادیان آکر حضرت اقدس
سے کیا۔ حضرت نے فرمایا " وہاں سے وہ کتاب لے آئیں"۔

جب مفتی صاحب لائبریری میں گئے تو اس کتاب کا نام بھول گئے۔
ہر چند تلاش کیا مگر کتاب نہ ملی۔ جب تک نام معلوم نہ ہو کتاب کس طرح مل سکتی
تھی۔ لائبریرین نے بھی عذر کر دیا۔ ناچار واپس آکر حضرت صاحب سے صورتِ
معاملہ بیان کر دی۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے حضرت صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب
آپ پھر جائیے۔ ابکے وہ کتاب آپ کو مل جائے گی۔

مفتی صاحب نے حکم کی تعمیل تو کی۔ مگر حیران تھے کہ جب نام ہی یاد نہیں
تو کتاب کو کس طرح اور کہاں تلاش کروں۔

خیر اسی فکر میں مفتی صاحب لائبریری پہنچے۔ اُس وقت اتفاق سے لائبریرین
ضرورتاً ایک آدھ منٹ کے لیے باہر چلا گیا تھا۔ اُس کی میز پر ایک کتاب پڑی
ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے بغیر کسی خیال کے ویسے ہی اُسے اٹھا لیا۔ کھولا تو

وہی مطلوبہ کتاب تھی۔

اس خدائی تصرّف کو دیکھ کر مفتی صاحب حیران رہ گئے۔ لائبریرین آیا تو مفتی صاحب نے یہ عجیب وغریب واقعہ اُس سے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا "جاؤ کتاب مل جائے گی۔" اور غیر متوقع طور پر کتاب فوراً مل گئی۔

لائبریرین نے کہا کہ جناب اگر آپ کچھ دیر پہلے آتے تب بھی آپ کو یہ کتاب نہ ملتی۔ کیونکہ ابھی ابھی باہر سے آئی تھی۔ اور اگر ذرا بھی دیر کے بعد آتے تب بھی یہ کتاب آپ کو نہ ملتی۔ کیونکہ میں اسے فوراً اس کی جگہ رکھوا دیتا۔ اب اسے لے جائیں۔ اور حضرت صاحب کو دکھائیں۔

چنانچہ اس کتاب کا حوالہ حضور نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" درج فرمایا ہے۔

۴۰۔ مشائخی کا کام

۱۹۱۵ء میں حضرت مفتی صاحب ترجمۃ القرآن انگریزی کا پہلا پارہ چھپوانے کے لیے مدراس تشریف لے گئے تھے۔ وہاں قیام کے زمانہ میں ایک روز راستہ چلتے ایک مسلمان صاحب مل گئے۔ ان سے مفتی صاحب نے پوچھا کہ :-

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

صاحب۔ میں مشائخی کرتا ہوں۔

صادق۔ (بہت تعجب کے ساتھ) یہ تو بالکل نیا پیشہ میں نے اپنی عمر میں سنا۔ ذرا مہربانی فرما کر بتائیے کہ مشائخی کیا کام ہوتا ہے؟

صاحب۔ کسی شخص کے اندر اگر کسی وجہ سے شیطان داخل ہو جائے تو اُسے نکالنا۔

صادق۔ یہ تو بہت عمدہ کام ہے۔ یہ بے شمار ہندو جو آپ کے شہر میں پھر رہے ہیں۔ یہ سب کے سب بتوں کو پوجتے اور دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں۔ خدا و رسول سے بیگانہ اور اسلام سے علیحدہ ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں ان کے اندر شیطان گھسا ہوا ہے یا نہیں؟

صاحب۔ بے شک ان میں شیطان گھسا ہوا ہے۔ جبھی تو مسلمان نہیں ہوتے۔

صادق۔ پھر آپ ان کا شیطان نکالدیں۔ اللہ رسول کا کام ہے۔ بڑا ثواب ہو گا۔

صاحب۔ (ہنس کر) یہ تو ہم سے نہیں نکلتا۔

صادق۔ اچھا چھوڑیے ہندوؤں کے شیطان کو یہ بتلائیے کہ خود آپ کے اندر بھی شیطان ہے یا نہیں؟

صاحب۔ ہاں صاحب جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ میرے اندر بھی شیطان موجود ہے۔

صادق۔ پھر اسی کو نکالیے۔

صاحب۔ ہم سے وہ بھی نہیں نکلتا۔

صادق۔ تو پھر وہ مشائخی کیا ہوئی جو خود اپنے اندر کا شیطان بھی نہ نکال سکے۔ آئیے میں آپ کو ایک ایسے شخص کا پتہ بتاؤں جو آپ کے اندر سے شیطان نکال دے گا۔

صاحب۔ (بڑی توجہ سے) ضرور بتلائیے۔ وہ کون بزرگ ہیں اور

کہاں رہتے ہیں؟

صادق۔ وہ حضرت مہدی علیہ السلام ہیں جو پنجاب میں ظاہر ہوئے ہیں۔

صاحب۔ (بڑے ہی تعجب سے) ہیں! کیا حضرت مہدی علیہ السلام ظاہر ہو گئے۔

صادق۔ بے شک ہو گئے۔ میں نے ان کو دیکھا، پہچانا اور قبول کیا۔

اس کے بعد اُن سے سلسلہ کے متعلق بہت سی باتیں ہوئیں اور ان کو خوب اچھی طرح حضرت مفتی صاحب نے تبلیغ کی۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے رخصت چاہی۔ غور کرنے کا وعدہ کیا اور چلے گئے۔

۱۸۔ مسیح موعودؑ کی شفقت اپنے خادموں پر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے خادموں پر بے انتہا شفقت تھی اور وہ بڑی محبت کے ساتھ اُن سے پیش آتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ ایک بڑا پر لطف لطیفہ مفتی صاحب کے ساتھ پیش آیا۔

مفتی صاحب ابتداء میں لاہور میں ملازم تھے اور ہر اتوار کو یا ہر چھٹی کے موقعہ پر عموماً قادیان بھاگے آیا کرتے تھے۔ ایک روز اسی طرح کوئی دن کے ایک بجے مفتی صاحب قادیان پہنچے۔ حضرت صاحب کو خبر ہوئی تو فوراً باہر تشریف لے آئے۔ بڑی محبت سے ملے اور مفتی صاحب کو اندر گھر میں لے گئے اور کھانا لا کر مفتی صاحب کے آگے رکھ دیا۔ خود پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

مفتی صاحب نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ظہر کی اذان ہو گئی۔ اذان کی آواز سن کر مفتی صاحب نے جلدی جلدی کھانا شروع کیا۔ تاکہ جماعت میں شامل ہو سکیں۔ حضرت اقدسؑ یہ دیکھ کر مسکرانے لگے اور ہنستے ہوئے فرمایا مفتی صاحب

اتنے جلدی جلدی کھانے کی ضرورت نہیں۔ نہایت اطمینان سے کھائیے۔ جب تک میں باہر نہیں جاتا نماز نہیں ہو گی۔ اور جب تک آپ کھانا نہیں کھا لیتے میں باہر نہیں جاؤں گا۔

۴۲- دعا کا ایک عجیب کرشمہ

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ "جب میں ہندوستان سے انگلینڈ کے لیے روانہ ہوا۔ تو پاسپورٹ کی رو سے راستہ میں فرانس نہیں اتر سکتا تھا لیکن میرا بڑا دل چاہتا تھا کہ فرانس میں اُتروں۔ اس کا ذکر میں نے افسر جہاز سے کیا۔ اُس نے کہا کہ تم فرانس میں صرف اس صورت میں اتر سکتے ہو جب تمھارے پاس اتنا خرچ ہو۔ جب میں نے اپنے سرمایہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جس قدر کپتان کہتا ہے کہ خرچ ہو گا۔ میرے پاس اس سے دو پونڈ کم تھے۔ میں نے سوچا کسی سے یہ رقم قرض لے لوں۔ مگر جہاز میں میرا کوئی بھی شناسا نہ تھا۔ کس سے لیتا۔ آخر جب بالکل مایوس ہو گیا تو میں نے دعا کی کہ اے زمین اور آسمان کے مالک۔ اے خشکی اور تری کے خالق۔ تو ہر چیز پر قادر ہے اور تجھے ہر قسم کی قدرت اور طاقت حاصل ہے۔ تو جانتا ہے کہ مجھے اس وقت دو پونڈ کی ضرورت ہے۔ پس تو مجھے یہ دو پونڈ دیدے۔ خواہ آسمان سے گرا یا سمندر سے نکال مگر دے ضرور۔ میں نے بہت ہی الحاح اور زاری کے ساتھ خدا سے دعا مانگی۔ اور دعا مانگنے کے بعد مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ مجھے دو پونڈ ضرور مل جائیں گے۔ مگر میری یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بالکل اجنبی جگہ اور بالکل اجنبی آدمیوں میں یہ دو پونڈ کس طرح ملیں گے؟

یہ جنگ یورپ کا زمانہ تھا۔ جہاز چلتے چلتے یکدم ایک ایسی جگہ ٹھہر گیا۔

جہاں پہلے کبھی نہیں ٹھہرا تھا۔ میں نے اس خیال سے کہ جنگ کا زمانہ ہے ممکن ہے اِس جگہ ہمارے کچھ احمدی دوست ہوں۔ کپتان جہاز سے کہا کہ مجھے خشکی پر جانے کی اجازت دیں۔ لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا آپ یہاں ہرگز نہیں اتر سکتے۔ ہم تو ویسے ہی یہاں محض سمندر کی حالت معلوم کرنے کے لیے اتفاقاً کھڑے ہو گئے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے یہاں آج تک کبھی کھڑے نہیں ہوئے۔

تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ایک کشتی جہاز کی طرف آ رہی ہے۔ میں نے کپتان سے کہا کہ یہ کشتی یہاں کیوں آ رہی ہے۔ جب یہاں اُترنے کی اجازت ہی نہیں؟ کپتان نے کہا مجھے پتہ نہیں کہ کیوں آ رہی ہے۔ پاس آئے تو حالات کا علم ہو۔

جب کشتی جہاز کے قریب آئی تو میں نے پہچانا کہ اس میں ہمارے بھائی حاجی عبدالکریم صاحب تھے۔ انھوں نے کسی طرح سُن لیا تھا کہ میں فلاں جہاز سے انگلستان جا رہا ہوں اور فلاں وقت جہاز یہاں سے گذرے گا۔ اُن کو معلوم تھا کہ جہاز یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ پھر بھی وہ ساحل پر آ گئے تھے۔ لیکن جب جہاز جزیرہ کے سامنے آ کر اچانک ٹھہر گیا تو وہ فوراً کشتی لے کر جہاز کے پاس آ گئے۔ کپتان نے ان کو دریافتِ حال کے لیے اوپر آنے کی اجازت دی۔ خیر وہ مجھ سے ملے اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو یہ کہہ کر دو پونڈ میری جیب میں ڈال دیے کہ "مجھے کچھ مٹھائی آپ کے ساتھ کے لیے لانی چاہیے تھی۔ مگر مجھے تو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ جہاز ٹھہر جائے گا اور میں آپ سے مل سکوں گا۔ اس لیے یہ دو پونڈ مٹھائی کے ہیں۔ رکھ لیں"۔

فی الحقیقت دعا ایک بڑی ہی عجیب و غریب چیز ہے۔ جو ہر مشکل موقع پر

کام آتی ہے۔

۴۳۔ عربی اور انگریزی کا مقابلہ

حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ کوئی عیسائی بیرسٹر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کے لیے قادیان آیا۔ اثنائے گفتگو میں کچھ زبان کا ذکر چل پڑا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ عربی زبان میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔ لفظ تھوڑے ہوتے ہیں۔ معنی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس پر اُس عیسائی نے کہا کہ یہ خوبی تو نہایت عمدگی کے ساتھ انگریزی میں بھی پائی جاتی ہے۔ پھر عربی کی کیا فضیلت رہی؟ حضرت صاحب انگریزی نہیں جانتے تھے۔ لیکن اس وقت بے اختیار حضرت کے منہ سے نکلا کہ "اچھا آپ "میرا پانی" کا انگریزی میں ترجمہ کریں"۔

اس پر اُس عیسائی نے کہا "میرا پانی" کا ترجمہ ہے مائی واٹر (My water)۔ حضور نے فرمایا "لو آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا۔ اس فقرہ کا جب عربی میں ترجمہ کریں گے تو صرف "مائی" کہیں گے۔

اس برجستہ جواب پر وہ شخص ہکا بکا اور حیران ہو کر چپ ہو گیا۔

۴۴۔ بہنیں نہیں ماں بیٹیاں

۱۹۱۷ء میں جب حضرت مفتی صاحب تبلیغ اسلام کے لیے انگلینڈ گئے تو راستہ میں جہاز پر ایک پادری صاحب سے ملاقات ہوئی جن کا نام ڈیگز سلی لینڈ تھا۔ یہ صاحب امریکہ سے آئے تھے اور مصر تبلیغ کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

بہت سے حالات ان کو سنائے۔ چونکہ یہ امریکن تھے اس لیے مفتی صاحب نے ان کے سامنے حضرت مسیح موعود کا معجزہ متعلق ڈوئی پیش کیا۔ کہنے لگے "ڈوئی سچا نہ تھا" مفتی صاحب نے فرمایا "بے شک سچا نہ تھا جبھی تو سچے کے مقابلہ میں ہلاک ہو گیا"۔

ایک روز ان پادری صاحب سے مختلف زبانوں کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ پادری صاحب نے کہا کہ "عربی اور عبرانی دونوں زبانیں بہنیں ہیں۔ ان کی شکل باہم بہت ملتی جلتی ہے۔ جو شخص ان میں سے ایک زبان سے واقف ہو تو دوسری زبان بآسانی سیکھ سکتا ہے"۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "ہاں میں دونوں زبانیں جانتا ہوں۔ دراصل دونوں آپس میں بہنیں نہیں ہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے بلکہ ماں بیٹی ہیں عربی ماں ہے اور عبرانی اس کی بیٹی ہے"۔

۴۵۔ عیسائیوں کا لاینحل مسئلہ "کفّارہ"

انجمن احمدیہ مونگھیر (بنگال) نے نومبر ۱۹۱۰ء میں اپنے ہاں وسیع پیمانہ پر ایک تبلیغی جلسہ منعقد کرنا چاہا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ مرکز سے کسی بزرگ عالم کو شرکت جلسہ کے لیے مونگھیر بھیجا جائے۔ حضرت خلیفہ اول نے مولانا سید سرور شاہ صاحب اور مفتی صاحب کو مونگھیر جانے کا حکم دیا۔ اور یہ دونوں بزرگوار قادیان سے ۸ر نومبر ۱۹۱۰ء کو مونگھیر کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس سفر کی کیفیت بڑی دلچسپ ہے۔ مگر ہم اُسے چھوڑتے ہوئے اس فریق گفتگو کی کیفیت بیان کرتے ہیں جو لکھنؤ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر حضرت مفتی صاحب کی ایک انگریز پادری سے ہوئی۔ مفتی صاحب نے اس سے پوچھا "اگر میں

غلطی نہیں کرتا تو آپ مسیحی دین کے واعظ ہیں؟

پادری صاحب۔ میں اردو نہیں جانتا۔

یہ انگریز پادری صاحب صرف اتنی ہی اردو جانتے تھے کہ یہ کہہ دیں کہ میں اردو نہیں جانتا۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب نے ان سے انگریزی میں گفتگو شروع کی۔

صادق۔ کیا آپ دینِ عیسوی کے واعظ اور منادہیں؟

پادری صاحب۔ ہاں میں پادری ہوں۔

صادق۔ کیا میں آپ سے کوئی دینی بات دریافت کرسکتا ہوں؟

پادری صاحب۔ ہاں آپ بے شک دریافت کریں۔ میں خوشی سے جواب دوں گا۔

صادق۔ میں آپ سے مسئلہ کفارہ کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یسوع کا کفارہ عیسائیوں کے گناہوں کی عوض اس سزا کو اٹھاتا ہے جو مرنے کے بعد ملنے والی ہے؟ یا اس سزا کو بھی اٹھاتا ہے جو اس جہان میں ملتی ہے؟

پادری صاحب۔ دونوں قسم کی سزاؤں کو۔

صادق۔ خوب! تو اب آیئے اور اس بات کو عملی رنگ میں دیکھئے مثلاً جب کوئی عیسائی شخص چوری کرتا ہے تو اسے ملکی قانون کے مطابق جیل خانہ بھیجا جاتا ہے۔ حالانکہ حکومت عیسوی مذہب کی پیرو ہے۔ مگر وہ اس عیسائی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتی اور اس کو اسی طرح جیل میں بند کر دیتی ہے جیسے ایک غیر عیسائی چور کو۔ اب بتلائیے کہ کفارہ کا فائدہ عملی دنیا میں کیا ہوا؟

پادری صاحب۔ مسیحی اگرچہ جیل جاتا ہے مگر جب وہ توبہ کرتا ہے تو

اس کے دل کو ایسی تسلی اور تشفی ملتی ہے جو غیر مسیحی کو نہیں مل سکتی۔

صادق ۔ تشفی کے متعلق یہ ہے کہ جو شخص بھی توبہ کرتا ہے اور خدا کی طرف جھکتا ہے اُسے مل جاتی ہے۔ مگر ہم فرض کرتے ہیں کہ تشفی مسیحی کو ملتی ہے غیر مسیحی کو نہیں ملتی۔ جب یہ فرض کر لیا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ کفارہ کا جو عملی فائدہ اِس دنیا میں ظاہر ہوا اسی کے مطابق اگلے جہان میں بھی ظہور پذیر ہوگا یعنی مسیحی گنہگار بھی غیر مسیحی گنہگار کی طرح جہنم میں ڈالے جائیں گے اور دونوں جہنم میں رہیں گے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ مسیحی گنہگاروں کو تشفی ملتی رہے گی اور غیر مسیحی گنہگاروں کو تشفی نہیں ملے گی۔

یہ سن کر پادری صاحب نے پلیٹ فارم پر جھک کر ریل کی پٹڑی کو دور تک دیکھا اور پھر یہ کہہ کر فوراً چلے گئے کہ "معاف کیجیے ریل کے آنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور میں اب مزید گفتگو نہیں کر سکتا۔"

مگر ریل کے آنے میں ابھی پورے پندرہ منٹ باقی تھے۔

۴۶۔ مسیح صلیب پر نہیں مرا

جنوری ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے جب کہ مفتی صاحب امریکہ میں تھے کہ ایک روز دو پادری حضرت مفتی صاحب کے مکان پر آئے اور باہم کچھ مذہبی گفتگو ہونے لگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر مرنے کا ذکر تھا۔ مفتی صاحب نے کہا:-

"مسیح کا صلیب پر نہ مرنا خود آپ کی انجیل سے ثابت ہے۔ کیا مسیح نے رات بھر رو رو کر اور گڑگڑا کر اور منہ کے بل گر کر بار بار یہ دعا نہیں کی تھی کہ "اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ (موت کا) پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔" (متی باب ۲۶۔ آیت ۳۹)

پادری صاحب۔ بے شک مسیح نے یہ دعا کی تھی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تو کہا تھا کہ "تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو"۔ اور اس نے دوسری بار بھی یہی دعا مانگی کہ "اے میرے باپ! اگر یہ (موت کا پیالہ) میرے پیے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو"۔ (متی باب ۲۶۔ آیات ۳۹۔ ۴۲۔)

صادق۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ خدا کی مرضی اور منشا والا فقرہ تو دراصل ہر دعا کرنے والے کی دعا کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ خدا کو مجبور کر کے کوئی کچھ نہیں کرا سکتا مگر ہمیں تو یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ مسیح نے دعا کی تھی یا نہیں کی تھی؟ اور اس کے بعد یہ کہ وہ دعا قبول ہوئی یا نہیں ہوئی؟ بحث کے پہلے حصہ کے متعلق تو آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ اُس نے دعا کی تھی۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی رہ جاتا ہے کہ آیا وہ دعا قبول ہوئی یا نہیں ہوئی؟ سو اس کے لیے آپ عبرانیوں کے پانچویں باب کی ساتویں آیت ملاحظہ فرمائیں۔ جہاں مسیح کے متعلق صاف لکھا ہے کہ "اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اُس سے دعائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اُس کی سنی گئی"۔ (عبرانیوں باب ۵ آیت ۷) اب آپ فرمائیے کہ عبرانیوں کے اس فقرہ میں کس کا ذکر ہے؟

پادری صاحب۔ یسوع کا۔

صادق۔ کیا سوائے اس رات کے جس کی صبح مسیح کو صلیب دی جانی تھی۔ انجیل میں کہیں اور بھی موت سے بچنے کے لیے دعا مانگنے کا ذکر ہے۔

پادری صاحب۔ اور تو کہیں اس قسم کا ذکر نہیں۔

صادق۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ دعا قبول ہوئی۔

پادری صاحب۔ ہاں یہاں تو لکھا ہے مگر متی باب ۲۷ آیت ۵۰ میں یہ بھی تحریر ہے کہ "یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی"۔ اور پھر وہ تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا۔

صادق۔ یہ بھی درست ہے اُس نے تو اپنی طرف سے جان دیدی تھی اور دیکھنے والوں نے بھی ایسا سمجھا کہ مرگیا ہے مگر خدا تعالیٰ نے حالت بیہوشی میں کرکے اسے موت سے بچا دیا۔ اور یہ تو عام محاورہ ہر زبان میں ہے کہ جب ایک شخص سخت بیماری سے صحت پاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے دوبارہ زندگی پائی۔

اس کا پادری صاحبان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اِدھر اُدھر کی کچھ اور باتیں کرنے لگے اور تھوڑی دیر میں واپس چلے گئے۔

۴۷۔ بپتسمہ

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ مجھ سے خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص ایک پادری صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا "پادری صاحب! میں بپتسمہ لے کر عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ مجھے ٹھیک اُسی طرح بپتسمہ دیں جس طرح مسیح بپتسمہ دیا کرتا تھا۔ اور بپتسمہ دینے سے پہلے مجھے انجیل سے دکھا دیں کہ مسیح کس طرح بپتسمہ دیا کرتا تھا؟ تاکہ مجھے کوئی شک نہ رہے"۔

اس عجیب وغریب سوال پر پادری صاحب نہایت حیران ہو کر فرمانے لگے کہ "آپ بپتسمہ نہیں پا سکتے۔ مہربانی فرما کر تشریف لے جائیں"۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی کو پتہ نہیں کہ مسیح کس طرح بپتسمہ دیا کرتا تھا۔

اسی سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب نے ایک اور دلچسپ لطیفہ سنایا جو اُن سے

حضرت خلیفہ اول نے بیان کیا تھا، اور جو حسبِ ذیل ہے :-

ایک گاؤں میں اتفاق سے دو سگے بھائی عیسائی ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے بوڑھے باپ کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی عیسائیت کو قبول کر لے۔ بوڑھا آدمی جاہل اور ناواقف تھا۔ اس نے بیٹوں سے کہا کہ "اچھا جس طرح تم کہتے ہو اسی طرح سہی۔ تو مجھے عیسائی کر لو"۔ بیٹے بڑے خوش ہوئے اور پادری صاحب سے جا کر کہا کہ "ہمارا باپ عیسائی ہونا چاہتا ہے اُسے بھی آپ بپتسمہ دیدیں"۔ پادری صاحب نے کہا "بڑی اچھی بات ہے۔ اتوار کو لے آنا۔" چنانچہ اتوار کو دونوں "برخوردار" اپنے بوڑھے باپ کو لے کر گرجا میں پہنچ گئے۔ اور پادری صاحب خوشی خوشی اسے بپتسمہ دینے کے لیے تیار ہوئے۔

بپتسمہ دیتے وقت پانی کے تین چھینٹے پادری اُس شخص کے منہ پر مارتا ہے جو عیسائی ہونا چاہتا ہے۔ پہلے چھینٹے پر کہتا ہے "میں تجھے خدا باپ کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں۔" دوسرے چھینٹے پر کہتا ہے "میں تجھے خدا کے بیٹے کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں"۔ تیسرے چھینٹے پر کہتا ہے "میں تجھے روح القدس کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں"۔

اس قصہ میں جو لطیفہ کی بات ہے وہ آگے آتی ہے۔ جب پادری صاحب نے بپتسمہ دینے کے لیے پہلا چھپکا بوڑھے میاں کے منہ پر مارا تو فوراً بوڑھے میاں بے اختیار بول اٹھے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بوڑھا عادی تھا کہ صبح کو جب اٹھتا اور ہاتھ منہ دھوتا تو منہ پر چھپکا لگاتے وقت کلمہ پڑھتا وہی کلمہ اس وقت اس کے منہ سے نکلا جب اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا پڑا۔ مگر پادری صاحب اسے سن کر بڑے حیران ہوئے۔ اور سوچنے لگے کہ یہ بڈھا اچھا

عیسائی ہونے آیا جو بپتسمہ پاتے وقت بھی کلمہ پڑھتا ہے۔ پادری صاحب نے دونوں "برخورداروں" کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے ہی سے بہت شرمندہ تھے۔ کہنے لگے "پادری صاحب! ہمارا باپ جاہل اور اَن پڑھ آدمی ہے۔ کلمہ ویسے ہی اتفاقاً اس کے منہ سے نکل گیا۔ اس کا آپ کچھ خیال نہ کریں۔ اور دوبارہ بپتسمہ کی کارروائی شروع کریں"۔

یہ کہہ کر دونوں لڑکوں نے باپ کو سمجھایا کہ "ابا! کلمہ نہیں پڑھنا۔ اب محمدؐ کو بھول جاؤ۔ اب تو یسوع مسیح کو خدا ماننے میں ہی نجات ہے"۔

بوڑھے نے جواب دیا "بہت اچھا"۔

اس کے بعد پادری صاحب دوبارہ بپتسمہ دینے کے لیے تیار ہوئے لیکن انھوں نے جونہی اس کے منہ پر چھپکا مارا۔ فوراً ہی بوڑھے کے منہ سے پھر بے اختیار کلمہ نکلا۔

اب تو پادری صاحب کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس سے زیادہ غضب اور کیا ہوگا کہ تثلیث کے گھر میں دو مرتبہ پورے زور سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ بڑے ہی طیش میں آکر پادری صاحب نے دونوں لڑکوں کو حکم دیا "لے جاؤ اس بڈھے کو۔ یہ کبھی قیامت تک بھی عیسائی نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح بغیر نجات حاصل کیے مرجائے گا"۔

۴۸۔ خدا کی بیٹی

لندن میں ایک لیڈی حضرت مفتی صاحب کے زیرِ تبلیغ تھی اور اکثر آکر مسئلہ تثلیث پر بحث کیا کرتی تھی۔ حضرت مفتی صاحب اس کو ہر چند سمجھاتے مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا اور وہ روز ایک نئی حجت نکال کر کھڑی کر دیا کرتی۔ آخر ایک روز

حضرت مفتی صاحب کو ایک نہایت لطیف خیال سوجھا۔ آپ نے اس سے کہا
"میرے خیال میں آج ایک نئی بات آئی ہے۔ آپ اسے غور سے سنیں
اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا کا ایک بیٹا ہے (جس پر مسئلۂ تثلیث کا دار مدار ہے)
تو ضرور تھا کہ ایک بیٹی بھی ہوتی۔ جب مردوں کے حقوق ہیں تو عورتوں کے بھی
حقوق ہونے چاہییں۔ اس لیے جب خدا کے بیٹا ہے تو بیٹی بھی ہونی چاہیے
ورنہ خدا پر بے انصافی کا الزام لگتا ہے اور مردوں کو عورتوں پر یہ بے جا فخر حاصل
ہوتا ہے کہ اُن میں سے ایک مرد تو خدا کا بیٹا بن گیا۔ مگر کسی عورت کو یہ عزت
حاصل نہ ہوئی۔ آپ سوچیں اور غور فرمائیں کہ کیا یہ عورتوں کی صریح ہتک نہیں ؟
یا تو خدا کے بیٹا ہی نہ ہوتا تب تو کچھ بھی جھگڑا نہ تھا۔ لیکن جب بیٹا ہے تو بیٹی بھی
ضرور ہونی چاہیے تھی۔ تاکہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت جتانے کا کوئی موقع نہ ہوتا
جب بیٹی نہیں ہے تو پھر بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔ جب بیٹا نہ رہا تو مسئلہ تثلیث
باطل ہو گیا اور جب مسئلۂ تثلیث باطل ہو گیا تو پھر عیسائیت کا کیا باقی رہا؟

وہ لیڈی حقوقِ نسواں کی بڑی حامی تھی اور کہا کرتی تھی کہ قدرت نے مرد
عورت دونوں کو مساوی حقوق دیے ہیں۔ مردوں کا کوئی حق نہیں کہ عورتوں پر
حکومت کریں۔ اور اپنے آپ کو اُن سے اعلیٰ اور بہتر سمجھیں۔ جب مفتی صاحب
کی یہ دلیل اس نے سنی تو بہت متاثر ہوئی۔ اور کہنے لگی "آج مجھے یقین ہو گیا کہ
خدا کا کوئی بیٹا نہیں اور وہ اولاد کے جھنجٹ سے پاک ہے۔ کیونکہ بیٹا ہونے کی
حالت میں بڑا ظلم ہوتا اگر بیٹی نہ ہوتی۔ اب میں مانتی ہوں کہ مسئلۂ تثلیث غلط
اور بے معنی ہے۔ اور ہر گز کوئی عقلمند اسے قبول نہیں کر سکتا۔

۴۹۔ کرسمس میں چوریوں کی عجیب وجہ

حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا کہ جب میں امریکہ میں تھا تو کرسمس کے ایام میں

وہاں چوری اور قزاقی کے بکثرت واقعات ہوتے تھے۔ صرف شہر شکاگو میں قریباً ۴۰ کیس روزانہ۔ ان چوریوں کی وجہ بڑی دلچسپ تھی۔ اور وہ یہ کہ نوجوان لڑکے کرسمس کے تہوار پر اُن لڑکیوں کو جوان کی دوست ہوتی تھیں تحائف دینا چاہتے تھے۔ چونکہ ان دنوں بے کاری عام تھی اور روزگار ملتا نہیں تھا۔ اس لیے لڑکے لوگوں کی چیزیں چرا کر سستے داموں بیچ ڈالا کرتے تھے اور حاصل شدہ رقم سے تحائف خرید کر لڑکیوں کو دیدیا کرتے تھے۔ دونوں گھر دیوا جل جاتا تھا لڑکے تحفے دے کر خوش ہو جاتے تھے۔ لڑکیاں تحفے لے کر خوش ہو جاتی تھیں۔ نہ دینے والوں کا کچھ خرچ ہوتا تھا نہ لینے والیوں کا کوئی نقصان تھا۔

۵۰۔ مشرق مغرب کا استاد

امریکہ میں ایک مرتبہ ایک مجمع عام میں حضرت مفتی صاحب نے صداقت اسلام پر ایک لکچر دیا۔ لکچر کے بعد ایک صاحب کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ "ایک وقت تھا جب ہم سمجھتے تھے کہ مشرق کے لوگ جاہل اور وحشی ہیں اور وہاں ہم اپنے مشنری بھیجتے تھے۔ یا اب یہ وقت آگیا ہے کہ مشرق نے سمجھا کہ روحانی علوم میں ہم اہلِ مغرب جاہل ہیں۔ اور اُس نے ہماری روحانی تعلیم کے لیے اپنا مشنری یہاں بھیجا ہے۔ زمانہ کا دور ہے کبھی کچھ کبھی کچھ۔"

۵۱۔ کیا عیسائیت عالمگیر مذہب ہے

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے موقع پر لندن میں ایک دفعہ ایک پادری صاحب کھڑے ہوئے بڑے زور شور کے ساتھ عیسائیت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ یہ ۱۹۱۷ء کا ذکر ہے۔ اتفاق سے حضرت مفتی صاحب کا ادھر

سے گذر ہوا تو وہ بھی کھڑے ہو کر سننے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کہا "صاحب یہ کتنا عمدہ اور کیسا اعلیٰ درجہ کا مذہب ہے جس کا ذکر آپ فرما رہے ہیں کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بتا سکتے ہیں کہ اس مذہب کا نام کیا ہے؟ اور اس کے پیرو دنیا کے کس حصہ میں رہتے ہیں؟

اس پر پادری صاحب نہایت اخلاق اور محبت سے فرمانے لگے" اوہو! آپ کو معلوم نہیں۔ اس محبت والے مذہب کا نام عیسائیت ہے۔ سارے یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں عیسائی پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بہت سے عیسائی پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی بہت معقول تعداد عیسائیوں کی موجود ہے۔ تعجب ہے کہ آپ کو اس مذہب کا اب تک پتہ نہیں ہے۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے نہایت حیرت کے لہجہ میں فرمایا۔ اوہ! آپ کی مراد عیسائیت سے ہے! جس کی تعلیم کی خوبی کا آپ ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اس تعلیم پر عمل کرنے والے جرمن اور آسٹرین ہیں جنھوں نے یورپ میں جنگ کی آگ بھڑکا کر ایک عالم کو تباہ و برباد کر دیا"

حضرت مفتی صاحب کی اس تقریر پر پادری صاحب نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا" اوہ! یہ لوگ مسیح کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے۔ ورنہ ایسے کام کا ان سے ظہور نہ ہوتا۔

حضرت مفتی صاحب بولے۔" اچھا پھر کوئی عمل کرتا بھی ہے؟ انیس سو سال کی تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ یہ تعلیم صرف وعظ کرنے اور گرجوں میں پڑھنے کے لیے ہے۔ عملی زندگی میں کوئی شخص اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ سوائے چند درویشوں اور راہبوں کے جو دنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشین ہو گئے ہوں۔

پادری صاحب۔ اچھا کوئی کو کر سکتا ہے۔ اور کسی نے عمل کیا بھی ہے۔

صادق۔ تو پھر یہ مذہب اُن چند تارکانِ دنیا کے واسطے تھا جو مسیح کے ساتھ تھے۔ اور صرف اُس زمانہ کے لیے تھا۔ یہ ایسا عالمگیر نہیں ہے جس کو ہر پیشہ کا آدمی ہر زمانہ میں آسانی کے ساتھ قبول کر سکے اور اس پر اپنی روزانہ زندگی میں عمل کر سکے۔

اس پر پادری صاحب کچھ خاموش سے ہو کر چلے گئے۔

۵۲۔ ایک میں تین

لندن میں ہائیڈ پارک ایک مشہور و معروف سیر گاہ ہے جہاں بکثرت لوگ شام کو سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب بھی اپنے قیام لندن کے ایام میں وہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ تاکہ حسب موقع لوگوں کو تبلیغ کریں۔ ایک روز جو وہاں گئے تو دیکھا کہ آدمیوں کا ایک مجمع لگا ہوا ہے اور ان کے درمیان میں ایک پادری صاحب کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے ہیں۔ ایسے نظارے وہاں روز ہی دیکھنے میں آتے تھے۔ مجمع کے پیچھے مفتی صاحب بھی پادری صاحب کی تقریر سننے کھڑے ہو گئے۔ اور کچھ منٹ کے بعد مفتی صاحب نے بلند آواز سے کہا "پادری صاحب! میرا بھی ایک سوال ہے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر اسے حل کر دیں گے؟"

مجمع میں زیادہ تر لیڈیاں تھیں۔ جب مفتی صاحب نے یہ کہا تو انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور فوراً اِدھر اُدھر ہو کر مفتی صاحب کے لیے جگہ کر دی۔ مفتی صاحب مجمع میں سے گذر کر پادری صاحب کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ اس پر پادری صاحب فرمانے لگے "میں آپ کے سوال کا جواب بڑی خوشی سے دوں گا۔ فرمایئے کیا سوال ہے؟"

مجمع میں کافی دلچسپی پیدا ہوگئی اور ہر شخص مفتی صاحب اور پادری کے باہمی سوال وجواب کا اشتیاق کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔

مفتی صاحب نے پوچھا "پادری صاحب! آپ جو تقریر ابھی فرما رہے تھے اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدا نے اولاد چاہی تو اس کے ایک بیٹا ہوا۔ مگر اس میں کیا راز ہے کہ اس کے کوئی بیٹی نہیں ہوئی"؟

حضرت مفتی صاحب کے اس سوال پر حاضرین بڑے خوش ہوئے۔ خصوصاً لیڈیاں۔ اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ہاں پادری صاحب سوال بڑا معقول ہے اس کا جواب دیں اور ضرور دیں۔

پادری صاحب ۔ آپ بہت شریف آدمی ہیں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر بتلائیں گے کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

سامعین ۔ (بہت بلند آوازوں کے ساتھ) یہ سوال کا جواب نہیں ہے۔ پادری صاحب! اس جنٹلمین کی بات کا جواب دیں۔ اور اِدھر اُدھر کی باتیں نہ بنائیں۔

پادری صاحب ۔ (ایک شخص سے مخاطب ہو کر جو بہت بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا) تم کو کیا۔ وہ سوال کرنے والے ہیں۔ میں جواب دینے والا ہوں۔ تم کیوں خواہ مخواہ بیچ میں اپنی ٹانگ اڑاتے ہو؟

صادق ۔ پادری صاحب! میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کی خواہش کو پورا کریں اور میرے سوال کا جواب دیں۔

پادری صاحب ۔ (مفتی صاحب کو مخاطب کر کے) آپ واقف نہیں ہیں یہ دراصل یہودی ہے جو بہت بڑھ بڑھ کر بول رہا ہے۔

صادق ۔ یہودی ہے تو کیا ہوا بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو

یہودیوں کا نہایت درجہ شکر گذار ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ "خدا کے بیٹے" کو صلیب پر نہ چڑھاتے تو عیسائیوں کی نجات نہ ہوتی: اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

اس پر حاضرین نے بڑے زور کا ایک قہقہہ لگایا۔ اور پادری صاحب بہت سٹ پٹا کر کہنے لگے کہ "یہ تو آپ نے اور نیا سوال کر دیا۔

سامعین۔ اس کا بھی جواب دو۔

صادق۔ اچھا نمبروار جواب دیجیے۔ پہلے وہ پیچھے یہ۔

پادری صاحب۔ آپ ان لوگوں کی باتوں کا خیال نہ کریں۔ خدا وند نے فرمایا ہے کہ مُردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دو۔

صادق۔ پادری صاحب! میں آپ کے اس شہر میں نیا نیا آیا ہوں۔ مجھے یہاں کے طور طریق کی ابھی کچھ واقفیت نہیں ہے۔ مہربانی کرکے مجھے سمجھا دیجیے کہ کیا اس عیسائی ملک جب کوئی مرجاتا ہے تو اسے وہ لوگ دفن نہیں کرتے جو زندہ ہیں۔ بلکہ قبروں میں سے پرانے مردے کفن پھاڑ کر نکل آتے ہیں اور نئے مردوں کو دفن کرتے ہیں؟

پادری صاحب۔ یہ تو تیسرا سوال ہو گیا۔

حاضرین۔ (متفقہ طور پر) تینوں کا جواب دو۔

پادری صاحب۔ آپ نے یہ تو بتایا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

صادق۔ میں ہندوستان سے آیا ہوں۔

پادری صاحب۔ اوہ! بڑی خوشی کی بات ہے۔ میری بیوی بھی ہندوستان میں پیدا ہوئی تھی۔

صادق۔ تب تو وہ میری ہم وطن ہے۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔

سامعین۔ پادری صاحب! اس جنٹلمین نے جو سوالات کیے ہیں یا تو اُن کے جواب دو۔ یا پھر کہہ دو کہ مجھے جواب نہیں آتے؟ تاکہ بے فائدہ وقت ضائع نہ ہو۔

پادری صاحب۔ میں نہایت دیانتدار آدمی ہوں۔ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر مجھے جواب نہیں آتے تو کوئی ہرج نہیں۔ میری بیوی بہت ہوشیار اور فاضل عورت ہے۔ وہ آپ کو ان سوالات کا جواب تسلی بخش طور پر دے گی۔ اور ہاں۔ یورپ کے رہنے والے سالن پکانا بالکل نہیں جانتے۔ میری بیوی بہت اچھا سالن پکاتی ہے۔

صادق۔ یہ سن کر تو اور بھی زیادہ خوشی ہوئی۔ مہربانی فرما کر مجھے بتائیے کہ میں اسے کہاں پر مل سکوں گا؟

پادری صاحب۔ وہ اکثر یہاں آیا کرتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ بائبل کی آیات اپنی ٹوپی پر لکھا کرتی ہے۔ آپ اسے یہاں صدہا آدمیوں کے درمیان پہچان لیں گے۔ جب وہ یہاں آئے گی۔

صادق۔ میں پہچاننے میں کچھ زیادہ ہوشیار نہیں۔ آپ میرا پتہ لے جائیں اور وقت مقرر کر کے اپنی بیوی کو مجھ سے ملائیں۔ اور ہاں آپ کا نام کیا ہے؟

پادری صاحب۔ مجھے لوگ "اولڈ جو" کہتے ہیں

صادق۔ گڈ نائٹ "مسٹر اولڈ جو"

یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب وہاں سے چلے آئے۔ اور اب لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ پادری صاحب کو جواب نہیں آتے۔ نہ معلوم بوڑھی

کیا ہوا ؟

۵۳۔ بڑا گنہگار کون ؟

۱۸ / اگست ۱۹۱۷ء کے الفضل میں حضرت مفتی صاحب نے اپنے ایک مباحثہ کی کیفیت شائع کرائی تھی جو ہائیڈ پارک لندن میں آپ کا ایک پادری صاحب سے ہوا تھا۔ مباحثہ نہایت دلچسپ اور پر لطف ہے۔ لیجیے سنیئے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں :۔

ہائیڈ پارک کی سیر گاہ میں ایک کیتھولک پادری صاحب کے ساتھ میری گفتگو بعض مذہبی مسائل پر ہو رہی تھی۔ اس کو سن کر ایک صاحب جو بعد میں معلوم ہوا کہ پروٹسٹنٹ پادری ہیں۔ مجھے علیحدہ ایک طرف لے گئے۔ اور فرمانے لگے "آپ نے پادری کو خوب لاجواب کیا۔ مگر میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے فرمائیے۔" کہنے لگے :۔ "دیکھو آدم اور حوا کے گناہ گار ہو جانے سے سارا جہان گنہگار ہو گیا۔ پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی گنہگار تھے۔ وہ ہمارے شفیع نہیں ہو سکتے۔ مگر آپ مانتے ہیں کہ یسوع بے گناہ تھا" میں نے کہا "جناب میں نے کس دن آپ کے یہ اقرار نامہ لکھا کہ یسوع بے گناہ ہے"۔ کہنے لگے "تو کیا آپ اس کو گنہگار جانتے ہیں ؟" میں نے کہا "میرا جاننا نہ جاننا الگ بات ہے۔ لیکن جو فلسفہ آپ نے قائم کیا ہے کہ سب لوگ اس واسطے گنہگار ہیں کہ آدم اور حوا گنہگار تھے۔ اگر اس کو درست مانا جائے تو آپ ہی بتلائیے کہ آپ کی بائیبل کے مطابق پہلا اور بڑا گنہگار کون تھا ؟ آدم یا حوا۔ مرد یا عورت ؟ پادری صاحب فرمانے لگے کہ "حوا جو عورت تھی" میں نے کہا "خوب ! تو پھر آپ کے اصول کے مطابق مریم

جو آدم اور حوا کی اولاد تھی گنہگار ٹھیری اور چونکہ یسوع صرف عورت سے پیدا ہوا اس واسطے وہ زیادہ گنہگار ٹھیرا۔ بہ نسبت اُس کے جو مرد کی اولاد ہوں۔ کیونکہ مرد کم گنہگار ہے۔ اور اولاد میں طرفین کی اوسط آتی ہے"۔

اس پر پادری صاحب بہت گھبرا کر بھاگے اور ایک لیکچر کے مجمع میں جا گھسے۔ میں بھی اُن کے پیچھے بھاگا مگر وہ میری منت کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ اب اس وقت جانے دیں"۔

۵۴۔ بتوں کے شہر میں ایک بت تراش

حضرت مفتی صاحب کو حضرت خلیفۃ اول نے ۱۹۱۰ء میں ایک تبلیغی جلسہ میں شمولیت کے لیے مونگیر بھیجا تھا۔ وہاں سے واپسی پر حضرت مفتی صاحب بنارس میں بھی اترے تھے۔ بنارس کو حضرت مفتی صاحب نے "بتوں کا شہر" بتایا ہے۔ اور یہ واقعہ کے لحاظ سے نہایت ہی صحیح لقب ہے۔ جو اسے حضرت مفتی صاحب نے دیا ہے۔ قدم قدم پر بت خانہ موجود ہے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ سارے شہر میں اس قدر پجاری نہیں ہوں گے جس قدر بت موجود ہیں۔ سارے شہر میں کوئی پندرہ سو کے قریب بت خانے ہیں۔ اور اُن میں رکھے ہوئے بتوں کی تعداد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ہو سکتا مگر ہمیں ان جھگڑوں سے کیا مطلب بت جائیں اور ان کے پوجنے والے جائیں۔ ہمیں تو یہاں ایک مزیدار مکالمہ بیان کرنا ہے۔ جو بنارس میں ایک بت تراش سے حضرت مفتی صاحب کا ہوا۔

حضرت مفتی صاحب بنارس کی ایک تاریخی مسجد دیکھنے کے لیے گئے تھے۔ واپسی میں ایک بازار میں سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک بڑی سی دکان میں کئی بت تراش بیٹھے لوہے کے ہتھیاروں سے اُن گھڑے پتھروں کو بتوں کی صورت

میں منتقل کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب ٹھیر گئے اور جو بُت تراش دکان کے باہر بیٹھا اپنے کام میں مشغول تھا اس سے پوچھنے لگے "میاں یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

بُت تراش ۔ ہم مورتیاں بنا رہے ہیں ۔

صادق ۔ اچھا مورتیاں بنا کر پھر ان کا کیا کرتے ہو ؟

بت تراش ۔ ان کو فروخت کر دیتے ہیں ۔

صادق ۔ کون لوگ تم سے یہ مورتیاں خرید کرلے جاتے ہیں ؟

بت تراش ۔ ہندو لوگ لے جاتے ہیں ۔

صادق ۔ لے جا کر وہ لوگ ان کا کیا کرتے ہیں ؟

بت تراش ۔ وہ ان کی پوجا کرتے ہیں

صادق ۔ کیا تم بھی ان مورتیوں کی پوجا کرتے ہو ؟

بت تراش ۔ ہاں ہم بھی کرتے ہیں ۔

صادق ۔ یہ عجیب بات ہے ۔ خود ہی ان مورتیوں کو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو ۔ اور پھر انھیں خدا سمجھ کر خود ہی اُن کو پوجتے ہو ؟

بت تراش ۔ واہ صاحب واہ ۔ یہ آپ نے اچھی کہی ۔ اگر ہم ہی ان مورتیوں کی پوجا نہ کریں تو پھر دوسرے لوگ ہم سے کیوں خریدیں ۔

اس پر مفتی صاحب سوچتے ہوئے چلے آئے کہ بت پرستی کے جواز میں یہ کیسی عجیب وغریب دلیل ہے !!!

۵۵۔ مولوی محمد احسن کا پیغام بر

حضرت مفتی صاحب کی روایت ہے کہ حضرت اقدس کی زندگی میں ایک دفعہ میں حضور کی خدمت میں حاضر تھا اور حضور گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ کسی آدمی

نے دروازہ پر دستک دی۔ میں باہر آیا تو ایک شخص کھڑا تھا کہنے لگا کہ مجھے امرتسر سے مولوی محمد احسن نے بھیجا ہے اور مجھے حضور سے ایک بہت ہی ضروری بات کہنی ہے۔ میں نے کہا مجھ سے کہدو میں حضور سے عرض کر دوں گا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ نہیں مولوی محمد احسن صاحب نے فرمایا ہے کہ خود حضور سے کہنا۔

خیر میں نے اندر جاکر حضور سے واقعہ عرض کر دیا حضور نے اسے اندر بلالیا تو اس نے کہا حضور! مجھے مولوی محمد احسن صاحب نے یہ پیغام دے کر حضور کی خدمت میں بھیجا ہے کہ فلاں مولوی سے میرا مباحثہ ہوا۔ میں نے بحث میں اُسے ایسا لتاڑا ایسا پچھاڑا۔ ایسی شکست دی۔ ایسا اس کا منہ بند کیا کہ اُسے سانس نہیں آیا۔ جواب نہیں دے سکا۔ اور چپ کا چپ رہ گیا۔

حضرت صاحب نے متبسّم ہو کر فرمایا "میں نے تو یہ سمجھا کہ تم مولوی صاحب کی طرف سے یہ خبر لائے ہو کہ یورپ مسلمان ہو گیا۔"

۵۶۔ سچا عیسائی کون ہے؟

۱۹۲۶ء میں جب حضرت مفتی صاحب ناظر امور خارجہ تھے تو ان کو سلسلہ کی ایک ضرورت سے جالندھر جانا پڑا۔ راستہ میں ایک عیسائی سے ان کا دلچسپ مباحثہ ہوا۔ جس کی کیفیت انہی کے الفاظ میں سنیئے:۔

"جب ہماری گاڑی جالندھر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً اسی گاڑی میں ایک پادری صاحب بھی بیٹھے تھے۔ اُن سے کچھ مذہبی گفتگو شروع ہو گئی۔ بائبل اور قرآن کریم پر تھوڑا سا مباحثہ ہونے کے بعد گفتگو نے اس طرف پلٹا کھایا کہ سچا عیسائی کون ہے؟

پادری صاحب کہتے تھے کہ تثلیث اور کفّارہ کے عقائد کے ساتھ سچے

عیسائی ہم ہیں۔ اور میں کہتا تھا کہ سچے عیسائی ہم مسلمان ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا اور پھر حضورؐ کے بعد اس زمانہ میں مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کیا۔

میں نے کہا "پادری صاحب ماننا اور قبول کرنا صرف زبان سے نہیں ہوتا۔ بلکہ طریق عمل سے ہوا کرتا ہے۔ مسیح ناصری کا ایک ضروری حکم ہے کہ جو کچھ کوئی تم سے مانگے اسے دیدو۔ پس اس حکم کے پیش نظر میں یہ چھوٹی سی انجیل جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ اپنے یسوع کے فرمان کی تعمیل میں یہ کتاب مجھے مرحمت فرما دیں۔ پس میں سمجھوں گا کہ آپ یسوع کے احکام کی دل سے عزت کرنے والے ہیں۔ مگر پادری صاحب نے اس انجیل کے دینے سے صاف انکار کر دیا۔

اب میں نے کہا سنیئے پادری صاحب! میرے پاس اس وقت جو کچھ ہے۔ اس میں سے جو چیز آپ چاہیں بلا تکلف مجھ سے مانگ لیں میں فوراً بلا تامل آپ کو دیدوں گا۔ مانگیے آپ کیا مانگتے ہیں؟

درحقیقت یہ بات میں نے پادری صاحب سے بڑی صداقت کے ساتھ کہی تھی۔ اور اسی نیت سے کہی تھی کہ جو کچھ بھی اس وقت میرے پاس ہے اس میں سے جو کچھ پادری صاحب مانگیں گے میں بلا تامل ان کے حوالے کر دوں گا۔ اور اس طرح میں ایک مسلم اور ایک عیسائی کے درمیان ظاہرا فرق لوگوں کو دکھانا چاہتا تھا جو اس وقت گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ اور ہم دونوں کی گفتگو بڑے شوق اور نہایت توجہ کے ساتھ سن رہے تھے۔ مگر سخت حیرت ہے کہ نہ تو پادری صاحب کو اتنی توفیق ملی کہ وہ اپنی کتاب مجھے دے دیتے اور نہ ان کو اتنی جرأت ہوئی کہ مجھ سے کچھ مانگتے۔

اس پر خود اس کے رفیقوں نے اسے شرمندہ کیا۔ اور بات ختم ہو گئی۔

۵۔ معاملہ میں اَور۔ مذہب میں اَور

جب حضرت مفتی صاحب لنڈن میں تھے تو ایک دن اپنے ایک دوست کے ساتھ لنڈن کے بازار میں سے گذر رہے تھے کہ ان کے دوست کی نظر ایک دوکان کے سائن بورڈ پر پڑی جس پر لکھا تھا:۔

"Trinity Book Shop"

یعنی "تثلیث مقدس کا کتب خانہ" یہ پادری صاحبان کی کتابوں کی فروخت کی دوکان تھی۔ اور مفتی صاحب کے دوست جانتے تھے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ مگر ان جان بن کر انھوں نے دُکان پر جو پادری صاحب بیٹھے تھے اُن سے پوچھا کہ تثلیث سے آپ کی کیا مراد ہے؟

پادری صاحب:۔ تثلیث سے مراد ہے باپ[۱]۔ بیٹا[۲] اور روح القدس[۳] تینوں خدا ہیں۔ مگر خدا تین نہیں بلکہ صرف ایک ہے۔ یہ ایک روحانی راز ہے کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے پادری صاحب کو سمجھایا کہ یہ بات جو آپ نے کہی اصولاً بالکل غلط ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ تین ایک ہوں ایک تین ہو گفتگو ہوتی رہی۔ پادری صاحب اپنی بات پر مصر رہے اور مفتی صاحب اپنی بات پر۔ جب گفتگو لمبی ہونے لگی تو حضرت مفتی صاحب نے قریب کی میز سے ایک کتاب لی جس کی قیمت اس پر تین شلنگ لکھی ہوئی تھی۔ اور پادری صاحب سے کہا

"جناب! میں یہ لینا چاہتا ہوں"

پادری صاحب۔ شوق سے لیجیے۔
صادق۔ اس کی کیا قیمت ہے؟
پادری صاحب۔ تین شلنگ۔
مفتی صاحب نے مسکراتے ہوئے جیب میں سے ایک شلنگ نکالا۔
اور پادری صاحب کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا
"لیجیے اس کی قیمت"
پادری صاحب نے ایک شلنگ دیکھ کر کہا
"جناب! آپ کو شاید خیال نہیں رہا۔ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اس کتاب کی قیمت تین شلنگ ہے۔
صادق۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ لہٰذا اس ایک کو آپ قبول فرمائیں۔
پادری صاحب۔ (ہنستے ہوئے) جناب معاملہ کی اور بات ہے۔ مذہب کی بات اور ہے۔
صادق۔ یہ عجیب مذہب ہے کہ معاملہ کے وقت کچھ اور ہو جاتا ہے پادری صاحب! اگر آپ مذہب اسلام کا مطالعہ فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ ہر حالت میں ایک ہی جیسا رہتا ہے۔ خواہ ہم بازار میں ہوں، خواہ مسجد میں۔

۵۸۔ امریکہ کے لوگوں کی جہالت

امریکہ کے لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ہر اُس شخص کو جو ہندوستان سے امریکہ جائے "ہندو" کہتے اور سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو ہو۔ اور ان کی یہ ناواقفیت بعض مرتبہ بڑی مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب مفتی صاحب

تبلیغ کے لیے امریکہ تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے اخبارات نے لکھا کہ "ہندوستان سے ایک ہندو امریکہ کے لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے آیا ہے"۔

اسی قسم کا ایک دوسرا مضحکہ خیز واقعہ ۲۶ مئی ۱۹۴۲ء کو مہمان خانہ قادیان میں بیٹھے ہوئے حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوری اور دیگر احباب کو مفتی صاحب نے سنایا۔

"میں ایک مرتبہ امریکہ کے ایک شہر میں تبلیغ کے لیے گیا۔ میرے آنے کی خبر سن کر ایک مقامی روزانہ اخبار کے رپورٹر میرے پاس آیا تاکہ مجھ سے میرے مشن کے متعلق حالات معلوم کر کے اخبار میں شائع کرلے۔ میں سمجھتا تھا کہ اخبار کے رپورٹروں کی کتنی لیاقت اور کس قدر قابلیت ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے اس رپورٹر کو بہت واضح الفاظ میں کئی کئی مرتبہ سمجھایا کہ میں اگرچہ ہندوستان سے آیا ہوں، مگر ہندو نہیں ہوں۔ دوسری بات احتیاطاً میں نے اسے یہ بتائی کہ میں نبی نہیں ہوں۔ بلکہ صرف مسلمان ہوں۔ اور اسلام کی تبلیغ کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں نے اسے یہ بات کئی کئی مرتبہ بتائی اور اس نے بھی کہا کہ جی میں بخوبی سمجھ گیا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں۔ لیکن جب دوسری صبح اخبار شائع ہوا۔ تو اس میں جلی عنوان سے لکھا ہوا تھا

"A Hindu Prophet in our city"

یعنی ایک ہندو نبی ہمارے شہر میں"۔

۵۹۔ دولت خانہ اور غریب خانہ

حضرت مفتی صاحب نے ۲۷ راکتوبر ۱۹۱۱ء کے اخبار بدر میں ایک نہایت دلچسپ اور پر لطف واقعہ بیان کیا ہے۔ جو ہم وہاں سے نقل کر کے خود انہی کے

الفاظ میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں :-

"مہاجرین قادیان کے لیے دارالامان سے باہر رہنا بہت ہی مشکل ہے۔
وہ لوگ بیرونی دلچسپیوں کے تعلقات سے اپنے دل کو بالکل فارغ کر چکے ہیں۔
ان کے لیے اس مقدس صحبت کی ایک گھڑی باہر کی ہزار نعمتوں اور دولتوں سے
بڑھ کر راحت دہ اور طمانیت بخش ہے اور وہ اپنی خوشی سے کبھی ایک دن کے
واسطے بھی اس مقام کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ یہ جگہ صحیح معنوں میں اُن کا

دولت خانہ

ہے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ میں ریل میں بیٹھا ہوا کہیں جا رہا تھا کہ
ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ "جناب کا دولت خانہ کہاں ہے؟" میں نے
عرض کیا کہ "جناب! آج کل یہ دستور ہو رہا ہے کہ پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ آپ
کا دولت خانہ کہاں ہے؟ اور بتلانے والا بتلاتا ہے کہ میرا غریب خانہ وہاں
ہے۔ ان ہر دو الفاظ کا استعمال سائل و مسئول کے واسطے تہذیب میں داخل ہے۔
بہت ممکن ہے کہ جواب دینے والے صاحب کا خانہ اصلی معنی میں ہی غریب خانہ ہو۔
اور ممکن ہے کہ بسبب انکسار اُن کے واسطے جواب میں ایسا ہی کہنا مناسب ہو۔
لیکن میرا معاملہ خاص ہے۔ میرے قبضہ میں ایک غریب خانہ ہے۔ اور ایک دولت خانہ
بھی میرا ہے۔ اگر میں آپ کو صرف اپنا غریب خانہ ہی بتلاؤں تو یہ کافی نہ ہوگا۔ اور
اگر میں آپ کو اپنا دولت خانہ بتاؤں جس کا ذکر میرے واسطے موجب فخر ہے تو شاید
آپ دل میں خیال کریں کہ یہ شخص مہذب گفتگو سے نابلد ہے۔ اس لیے میں ہر دو
کا ذکر کر دیتا ہوں۔ لیجیے سنیے۔ میرا غریب خانہ تو بھیرہ ضلع شاہ پور میں ہے۔ جہاں
میں پیدا ہوا تھا۔ میرے آبا و اجداد کا بنایا ہوا غریب خانہ جھونپڑا اب تک وہاں
موجود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک دولت خانہ

تک رسائی بخشی ہے۔ جہاں سے مجھے ظاہری اور باطنی دولت ملتی ہے۔ وہ
دولت خانہ قادیان
میں ہے۔

۶۰۔ مہدی آباد

۱۹۱۶ء میں جب مفتی صاحب حیدرآباد گئے تو ریل میں گوالیار کے قریب ایک پیرمرد مقبول صورت اُن کے درجہ میں سوار ہوئے۔ ان کو دیکھتے ہی مفتی صاحب کی طبیعت مائل ہوئی کہ اس شخص کو تبلیغ کرنی چاہیے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہونے سے قبل دعا کرنے لگے کہ اتنے میں اُنھوں نے خود ہی گفتگو شروع کر دی۔

پیرمرد۔ آپ کہاں تشریف رکھتے ہیں؟
صادق۔ مہدی آباد میں۔
اس پر انھوں نے بھی اس لفظ کو دہرایا اور پھر چپ سے ہو گئے۔ گویا یہ سوچتے ہیں کہ مہدی آباد کہاں ہے؟ چند منٹ کے بعد بولے۔
پیرمرد۔ مہدی آباد کہاں ہے جناب؟
صادق۔ جہاں منارۃ البیضاء ہے۔
پیرمرد۔ اوہ! بہت دور کے رہنے والے ہیں آپ۔ منارۃ البیضاء
پھر تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد بولے
پیرمرد۔ جناب منارۃ البیضاء کہاں ہے؟
صادق۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوئے۔
پیرمرد۔ (نہایت تعجب سے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام!

صادق۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

اس پر پھر کچھ سوچ میں پڑ گئے اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگے

پیر مرد۔ تو جناب! مہدی آباد کس علاقہ میں ہے۔ کیا اس شہر کا کوئی دوسرا نام بھی ہے؟

صادق۔ ہاں اس کا نام قادیان ہے۔ اور وہ پنجاب میں ہے حضرت مہدی کے وہاں ظاہر ہونے کی وجہ سے میں نے اسے مہدی آباد کہا ہے۔

پیر مرد۔ او۔ قادیان! جہاں مرزا غلام احمدؐ صاحب ہوئے ہیں۔

صادق۔ جی ہاں وہی قادیان۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے حضرت کے حالات سنانے شروع کیے۔ درمیان میں وہ سوالات کرتے گئے اور مفتی صاحب جواب دیتے رہے۔ پھر مفتی صاحب نے کتاب تحفۃ الملوک ان کی خدمت میں پیش کی۔ جس کا وہ کئی سٹیشنوں تک مطالعہ کرتے رہے۔ پھر مفتی صاحب نے ان کو شرائط بیعت بتلائے۔ انھوں نے بڑی خوشی سے احمدیت کو قبول کیا اور بیعت کا خط اسی وقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حضور میں بھجدیا۔ اُن کا نام قاضی عبدالرحیم تھا۔

۶۱۔ سبز پگڑی

جب حضرت مفتی صاحب انگلستان سے روانہ ہو کر بغرض تبلیغ امریکہ پہنچے۔ تو ساحل پر اترنے سے پہلے ایک ڈاکٹر جہاز ہی پر آیا۔ تاکہ مسافروں کا طبی معائنہ کرے اور جن کو ناقابل سمجھے اُن کو اترنے کی اجازت نہ دے۔ وہاں طبی معائنہ بہت سخت ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی آنکھوں میں روہے تھے اور ایسے مریض کو امریکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ مفتی صاحب نے بہت

الحاح اور زاری کے ساتھ خداوند کریم کے حضور دعا کی۔ اور پھر ان مسافروں کی قطار میں جا کھڑے ہوئے جن کا طبی معاینہ ہونا تھا۔ معاینہ کرنے والا ڈاکٹر جب معاینہ کرتا کرتا مفتی صاحب کے پاس آیا۔ تو ان کی سبز پگڑی دیکھ کر کہنے لگا "کیا آپ ہندوستان سے آئے ہیں؟

صادق۔ جی ہاں میں ہندوستانی ہوں۔ پہلے ہندوستان سے انگلستان آیا اور اب انگلستان سے یہاں آیا ہوں۔

ڈاکٹر۔ یہ سبز کپڑا جس کی آپ پگڑی پہنے ہوئے ہیں کہاں کا بنا ہوا ہے؟

صادق۔ جناب یہ کپڑا بھی ہندوستان کا بنا ہوا ہے۔

ڈاکٹر۔ اس رنگ کو لیڈیاں تو بہت پسند کرتی ہوں گی۔ بڑا خوبصورت رنگ ہے۔

ڈاکٹر کے یہ کہنے پر حضرت مفتی صاحب نے فوراً اپنے سر سے پگڑی اتار کر ڈاکٹر کے ہاتھ میں دیدی اور فرمانے لگے کہ اگر لیڈیوں کو یہ رنگ پسند ہے تو میری طرف سے یہ پگڑی اپنی لیڈی صاحبہ کو دیدیجیے۔ میں تحفۃً اُن کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ نہیں یہ آپ رکھیں۔ آپ کو ضرورت ہو گی۔

صادق۔ میرے پاس دوسری پگڑی موجود ہے۔ یہ آپ لے جائیں

ڈاکٹر نے پگڑی تو نہ لی مگر مفتی صاحب سے گفتگو کرکے خوش بہت ہوا۔ اور کہنے لگا:۔

آپ کی صحت بہت اچھی ہے۔ آپ بے شک امریکہ میں داخل ہو سکتے ہیں" اور یہ کہہ کر سرٹیفکیٹ لکھ دیا۔

محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ معاینہ کی نوبت نہ آئی۔ ورنہ مفتی صاحب کا

امریکہ میں داخلہ ناممکن تھا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس سے چاہتا ہے خاص معاملہ کرتا ہے۔

۶۲۔ ایک خواب جو بعینہ پورا ہوا

جب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حکم کے ماتحت حضرت مفتی صاحب انگلستان سے امریکہ تبلیغ کے لیے جانے لگے تو آپ نے استخارہ کرنے پر ایک خواب دیکھا جیسے آپ امریکہ کے شہر نیو یارک میں اسلام کی صداقت پر ایک لیکچر دے رہے ہیں۔ جب لیکچر ختم ہوگیا تو سب لوگ اُٹھ اُٹھ کر چلے گئے۔ صرف ایک نوجوان عورت بیٹھی رہ گئی۔ مفتی صاحب نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیوں بیٹھی ہو۔ تو اس نے کہا مجھے اسلام بہت پیارا مذہب معلوم ہوتا ہے۔ کیا آپ مجھے اپنے مذہب میں داخل کر سکتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا میں اسی کام کے لیے تو یہاں آیا ہوں۔ پھر مفتی صاحب نے کلمۂ شہادت پڑھا کر اس لیڈی کو مسلمان کیا اور اس کا نام فاطمہ مصطفیٰ رکھا۔

نہایت عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب امریکہ پہنچ گئے۔ اور نیو یارک میں آپ نے لیکچر دیا۔ تو بعینہ وہی واقعہ جو انھوں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اسی طرح ظاہر میں واقع ہوا۔ مفتی صاحب نے اُس لیڈی کو بتایا کہ میں تو تمھیں بہت پہلے سے جانتا ہوں۔ حیران ہو کر اس نے پوچھا "کس طرح؟" تب مفتی صاحب نے اپنا انگلستان والا خواب اسے سنایا۔ وہ بھی خواب سن کر تعجب کرنے لگی کہ کس طرح لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔

۶۳۔ ایک ہفتہ کا آگا پیچھا

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب شکاگو سے امریکہ کے شہر واشنگٹن میں

تبلیغ کے لیے گئے۔ اس پر اس شہر کے ایک روزانہ اخبار نے لکھا کہ اسلامی مشنری مسٹر محمد صادق کے اس شہر میں آنے اور اسلام پر لکچر دیتے کا شہر میں بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ بعض لوگ نہایت تعجب سے کہہ رہے ہیں کہ ابھی پچھلے ہفتے گرجا میں پادری صاحب نے یہ کہہ کر ہم سے چندہ وصول کیا تھا کہ ملک عرب میں عیسائی مشنری بھیجا جائے گا۔ لیکن آج ہم حیرت سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی مشنری ہمارے ملک میں آگیا ہے اور عیسائیوں کو مسلمان بنا رہا ہے۔

۶۴۔ "آپ کی والدہ کہاں ہیں؟"

ہم ہندوستانیوں کو یہ بات کس قدر مضحکہ خیز معلوم ہو گی کہ اہل امریکہ عام طور پر اپنی بیویوں کو "ماں" یا "والدہ" (Mother) کہہ کر خطاب کیا کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ وہ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ جب ہم اپنی بیوی کو ماں کہیں گے تو ہمارے چھوٹے بچوں کو بھی اپنی والدہ کو ماں کہنے کی عادت پڑے گی۔ ورنہ اگر ہم نے ان کو بیوی کہا تو چھوٹے بچے بھی اپنی ماں کو بیوی کہنے لگیں گے۔

دراصل یہ وجہ بھی نہایت فضول اور لایعنی ہے۔ ہندوستان میں ہر شخص اپنی اہلیہ کو بیوی کہتا ہے۔ مگر چھوٹے بچے کبھی نہیں سیکھتے کہ وہ بھی اپنی والدہ کو بیوی کہنے لگیں۔ مگر ہمیں اس سے کیا۔ اپنی اپنی زبان۔ اپنا اپنا طریقہ۔ بہرحال وہاں کے لوگوں کی یہ عادت ہے۔ اور اسی عادت کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کے ساتھ بھی امریکہ میں ایک دفعہ بڑا دلچسپ لطیفہ ہوا۔

ایک روز حضرت مفتی صاحب اپنے ایک دوست ایم، آجون سے ملنے کے

لیے اُن کے مکان پر گئے۔ اُن کے پاس ہمیشہ لوگ آتے رہتے تھے جو بالعموم اپنی بیویوں کے ساتھ ہوتے تھے۔ اُن کی ایک چھوٹی سی بچی تھی جس کی باتیں بڑی پیاری پیاری ہوتی تھیں۔ جب بچی نے مفتی صاحب کو اکیلے بغیر کسی عورت کے دیکھا تو وہ آگے بڑھی اور بڑے ہی ہمدردانہ لہجہ میں مفتی صاحب سے پوچھنے لگی

لڑکی۔ آپ اپنی والدہ کے ساتھ نہیں آئے۔ آپ کی والدہ کہاں ہیں؟

صادق۔ پیاری تھی منّی میری والدہ نہیں ہیں۔

یہ سن کر چھوٹی بچی کو حقیقتاً بڑا رنج ہوا۔ اور اس نے بہت ہی افسوس کے لہجہ میں کہا

لڑکی۔ اے ہے! آپ کی والدہ نہیں ہیں۔ پھر آپ یہ کام کیوں نہیں کرتے کہ ایک والدہ خرید لائیں؟

چھوٹی بچی کے اس بھولے پن پر مفتی صاحب کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور انھوں نے ہنستے ہوئے لڑکی سے کہا

صادق۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں والدہ کو کہاں سے خریدوں تمھیں پتہ ہو تو تم ہی بتاؤ۔

لڑکی۔ دیکھیے اس گلی کے نکڑ پر جو دکان ہے۔ وہاں ہر قسم کی مائیں اچھی سے اچھی مائیں ملتی ہیں۔ ان میں سے جونسی ماں آپ کو پسند ہو انتخاب کر کے لے آئیں۔ آپ فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ چلوں۔ میں نے ایک دن اس دکان پر بہت سی مائیں رکھی ہوئی دیکھی تھیں۔

اب چھوٹی بچی کو کوئی کس طرح سمجھائے کہ وہ دکان ماؤں کی نہیں بلکہ کھلونوں اور گڑیوں کی تھی۔

۶۷۔ خدا کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے

شکاگو (امریکہ) سے دو سو میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے گرینڈ ہیون وہاں کی ایک انجمن نے ایک مرتبہ نومبر ۱۹۲۳ء میں حضرت مفتی صاحب کو اپنے ہاں اسلام پر لیکچر دینے کے لیے بلایا اور آمد و رفت اور قیام کا سارا خرچ ادا کرنے کا وعدہ کیا ۶۴ روپے کرایہ ریل لگا اور ہوٹل کا بل ۱۲ روپیہ روزانہ علاوہ خرچ خوراک کے انجمن والوں کو دینا پڑا۔ حضرت مفتی صاحب کا لیکچر "اسلام کی خوبیوں" پر تھا۔ لیکچر کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا

"اگر میرے لیکچر کے متعلق حاضرین میں سے کوئی صاحب مجھ سے کچھ پوچھنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پوچھ سکتے ہیں"

اس پر اور تو کوئی نہ بولا۔ البتہ ایک پادری کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ "اسلام مذہب امن کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ مسلمانوں نے صلیبی جنگوں کے زمانہ میں ہزاروں عیسائیوں کو قتل کر دیا؟"

صادق۔ ع "لڑکے مارا کوئی جائے تو یہ کس کا ہے قصور؟"

صلیبی لڑائیوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں پر حملے نہیں کیے۔ بلکہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملے کر کے ہزاروں کو نہایت بے دردی کے ساتھ ہلاک کر ڈالا۔ ان حملوں میں اگر کچھ آدمی عیسائیوں کے بھی کام آ گئے ہوں تو اس کا الزام مسلمانوں پر کس طرح آ سکتا ہے؟ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ عیسائی حملہ آوروں کے قتل کے ذمہ وار مسلمان ہی ہیں تو مسلمانوں نے زیادہ سے زیادہ اگر عیسائی قتل کیے ہوں گے تو ایک ملین کیے ہوں گے۔ مگر اس کے بالمقابل گذشتہ جنگ یورپ میں بقول مسٹر بٹا ڈرڈ خود عیسائیوں نے اپنے عیسائی بھائیوں کو جس بے دردی اور خونخواری

کے ساتھ قتل کیا ہے اس کی نظیر پہلے زمانہ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس جنگ میں خود عیسائیوں کے ہاتھوں جس قدر عیسائی مارے گئے ان کی تعداد چالیس ملین ہے۔ بظاہر خدا کا منشا ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بکثرت عیسائی قتل ہوں۔ اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے جب خود عیسائیوں نے ۴۰ ملین عیسائی قتل کر ڈالے۔ تو اس میں کیا حرج ہوگیا اگر مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹا کر ایک ملین عیسائی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔

اس کے بعد ایک اور پادری صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت سی شادیاں کیوں کیں؟

حضرت مفتی صاحب نے اس سوال کا جو لطیف جواب دیا وہ سننے کے قابل ہے۔ فرمایا:۔

"شریعت اور قانونِ ملک کے مطابق زیادہ شادیاں کرنا گناہ کی بات نہیں بلکہ ثواب ہے۔ اگر آپ کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا گناہ ہے تو اس بات کا جواب دیجیے کہ ابراہیمؑ۔ یعقوبؑ اور داؤدؑ وغیرہ بزرگوں کو جنھوں نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ کیوں خدا نے پیار کیا اور کیوں ان کو اپنا پیغمبر بنایا؟ اور تمھارے ساری عمر کے مجرد رہنے والے پادریوں میں سے کیوں ایک بھی ایسا نہیں ہوا جس سے خدا ہم کلام ہوتا؟ بات یہ ہے کہ خدا انسان کے تقویٰ۔ پرہیزگاری۔ نیک نیتی۔ ایمان۔ اخلاص۔ محبتِ الٰہی۔ اور اعمالِ صالح کو دیکھتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ اس نے کتنی شادیاں کیں؟ پس اس لحاظ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائف کو دیکھ لو۔ تمھیں آفتاب سے بھی زیادہ روشن نظر آئے گی۔

اس پر پادری صاحب خاموش ہوگئے اور حاضرین میں سے بعض نے انکو ملامت کی کہ کیوں انھوں نے ایسے نور کی

لہ اس گذشتہ جنگِ عظیم میں ہلاک شدگان کا اندازہ ایک کروڑ کیا جا رہا ہے۔ جو تقریباً سارے کے سارے عیسائی تھے۔

۶۸۔ پادری صاحب کو دُور کی سوجھی

جب حضرت مفتی صاحب امریکہ میں تھے تو وہاں اکثر شام کے وقت ایک پارک میں چلے جایا کرتے تھے جو شہر کے بیچ میں تھا۔ بہت سے لوگ وہاں تفریح کے لیے آیا کرتے تھے۔ اور حضرت مفتی صاحب تقریروں اور گفتگو کے ذریعہ ان کو تبلیغ کرتے تھے۔ جس مقام پر کھڑے ہو کر مفتی صاحب تبلیغ کیا کرتے تھے اس کے سامنے ہی تھوڑے فاصلہ پر ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر عیسائیت کی صداقت پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ لیکن مفتی صاحب کے لیکچر میں سامعین کی تعداد علی العموم زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اور پادری صاحب کے وعظ میں بہت تھوڑے آدمیوں کا مجمع ہوا کرتا تھا۔

جب عرصہ تک یہی رفتار رہی تو ایک روز وہ پادری صاحب حضرت مفتی صاحب کے مکان پر آئے۔ اور اِدھر اُدھر کی معمولی گفتگو کے بعد فرمانے لگے کہ "اس کی وجہ بتایئے کہ آپ کے وعظ میں اس قدر زیادہ آدمی کیوں آتے ہیں؟ اور میرے ہاں اتنے کم کیوں ہوتے ہیں؟

صادق۔ آپ نے تو اس معاملہ میں غور کیا ہوگا۔ آپ ہی بتائیں کہ آپ کے خیال میں اس کا کیا سبب ہے؟

پادری صاحب۔ ہاں میں کئی دن سے اس مسئلہ کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ میری سمجھ میں تو صرف یہ بات آئی ہے کہ چونکہ آپ کی ڈاڑھی ہے اور میری نہیں ہے اس لیے لوگ آپ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔

صادق۔ اگر محض یہی وجہ لوگوں کی دلچسپی کی ہے تو پھر یہ تو بڑی آسان بات ہے آپ بھی ڈاڑھی رکھ لیں۔

پادری صاحب۔ ہاں اب میں نے بھی کئی دن سوچنے اور دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کر لیا ہے کہ میں بھی ڈاڑھی رکھ لوں گا۔

صادق۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور اس کوشش میں آپ کو کامیابی ہو۔

اس کے بعد پادری صاحب نے واقعی ڈاڑھی رکھ لی اور اسے بڑی احتیاط اور حفاظت کے ساتھ بڑھانا شروع کیا۔ ایک روز بازار میں اتفاقاً مفتی صاحب سے مل گئے۔ مفتی صاحب نے پوچھا کہئے پادری صاحب! اب تو آپ نے ڈاڑھی بھی رکھ لی۔ اب بھی آپ کے سامعین کی تعداد کچھ بڑھی یا نہیں؟

پادری صاحب۔ ہاں ڈاڑھی رکھ تو لی ہے۔ میرے بال تو بے شک بڑھ گئے۔ مگر حاضرین کی تعداد میں کچھ اضافہ نہیں ہوا۔ نہ معلوم کیا وجہ ہے؟

صادق۔ اگر آپ وجہ پوچھتے ہیں تو لیجیے سنیے۔ "لوگ دراصل حق اور صداقت کے بھوکے ہیں۔ ڈاڑھی کے بالوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں۔ جدھر سچائی اور اصلیت دیکھیں گے اُدھر ہی زیادہ دلچسپی کے ساتھ متوجہ ہوں گے"

۶۹۔ اہل امریکہ کے نزدیک سچے مسلمان کی تعریف

حضرت مفتی صاحب جب امریکہ میں تھے تو وہاں ایک عرب صاحب نے ایک امریکن خاتون سے نکاح کرنا چاہا۔ خاتون موصوفہ مسلمان تو ہوئیں مگر نکاح پر راضی ہوگئیں۔ وہاں کے دستور کے مطابق دونوں رجسٹرار کے دفتر چلے گئے۔ نکاح نامہ پر دستخط کردیئے اور رجسٹر میں ان کا نام درج ہو کر نکاح کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ عرب صاحب نے مفتی صاحب کو خط لکھا کہ قانوناً تو ہم میاں بیوی بن گئے ہیں۔ لیکن شریعت کے موافق ہمارا نکاح اب تک نہیں ہوا! ابھی

لیے میں نے اِس وقت تک اپنی بیوی کو علیحدہ رکھا ہوا ہے۔ آپ تشریف لائیں اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہمارا نکاح پڑھیں۔ تاکہ ہم دونوں اکٹھے رہ سکیں۔

مفتی صاحب ان دنوں نیو یارک میں تھے۔ اور نیو یارک سے ان کا قصبہ سات آٹھ گھنٹے کے فاصلہ پر تھا۔ مفتی صاحب نے ان کو لکھ دیا کہ میں آرہا ہوں۔ چنانچہ وقتِ مقررہ پر وہاں پہنچ گئے۔ پہلے لیڈی کو تبلیغ کی اور خدا کا شکر ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی۔ پھر مفتی صاحب نے دونوں کا نکاح پڑھ دیا مفتی صاحب کے وہاں جانے کی خبر مشہور ہوئی تو ایک مقامی زراعتی کالج نے مفتی صاحب کے میزبان کو ٹیلی فون کیا کہ سنا ہے آپ کے ہاں ہندوستان کے کوئی مسلم مشنری آئے ہوئے ہیں۔ اگر وہ اسلام کے متعلق ایک لیکچر ہمارے کالج میں آکر دیدیں تو ہم اُن کے نہایت شکر گذار ہوں گے۔ اگر وہ لیکچر دینے کے لیے تیار ہوں تو اُن سے دریافت کر کے ہمیں ازراہِ کرم مطلع فرمائیں کہ وہ اس لیکچر کا کیا معاوضہ لیں گے؟

میں نے کہا کہہ دیجیے کہ ہم کچھ معاوضہ نہیں لیں گے اور مفت لیکچر دیں گے چنانچہ انھوں نے ٹیلی فون دیا۔ اور لیکچر کا وقت مقرر ہوگیا۔

وقتِ مقررہ پر مفتی صاحب اپنے میزبان کے ہمراہ کالج پہنچے۔ پرنسپل صاحب بڑے اخلاق سے پیش آئے اور پہلے سارے کالج کی سیر کرائی۔ ایک کمرہ میں مختلف زراعتی پیداوار کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے دیکھیے یہ یورپ کے گیہوں ہیں۔ یہ فرانس کے گندم ہیں۔ یہ ہندوستان کے دانے ہیں۔ اور یہ گیہوں یہاں مقامی طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ آپ بغور ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارا پیدا کیا ہوا گندم جسامت۔ مضبوطی اور مزے میں تمام دوسرے ممالک کے دانہ ہائے گندم

سے بہتر ہے۔ مفتی صاحب نے دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا۔

اس کے بعد پرنسپل صاحب مفتی صاحب کو لکچر گاہ میں لے گئے۔ وہاں تین سو چار سو کے قریب طلبار تھے جن میں لڑکیاں بھی تھیں اور لڑکے بھی۔

مفتی صاحب نے پرنسپل صاحب سے پوچھا کہ یہ اتنے سارے طلبا آپ کے کالج سے پاس ہونے کے بعد کیا کریں گے؟

پرنسپل صاحب ہنس کر کہنے لگے "کریں گے کیا۔ اپنے دیہات میں واپس جاکر اپنے کھیتوں زراعت کریں گے۔ اور جو نئے طریقے یہاں سے سیکھ کر جائیں گے اپنے کھیتوں میں ان کو برت کر اپنی پیداوار کو ترقی دیں گے"۔

پرنسپل صاحب کے اس جواب پر مفتی صاحب سوچنے لگے کہ ہمارے ہندوستان کی اور امریکہ کی حالت میں کتنا فرق ہے۔ ہندوستان میں تو اگر کسان کا کوئی بچہ زراعتی کالج پاس کر لیتا ہے۔ تو پھر وہ ہل کو ہاتھ لگانا پاپ سمجھتا ہے۔ اور اسی کوشش میں رہتا ہے کہ کہیں نوکری مل جائے۔

لکچر شروع ہونے سے پہلے پرنسپل صاحب نے مفتی صاحب کا تعارف اساتذہ اور طلبار سے کرایا کہ یہ ڈاکٹر صادق ہیں جو ہندوستان سے تبلیغ اسلام کے لیے امریکہ میں آئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ہمارے شہر میں آئے تو میں نے ان سے اسلام پر ایک لکچر دینے کی خواہش کی جسے انھوں نے مہربانی کر کے منظور فرما لیا ہے اب میں اُن سے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور ہمیں بتائیں کہ مذہب اسلام کی تعریف کیا ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ آپ اس امر کی بالکل پروا نہ کریں کہ جو کچھ آپ بیان کریں گے وہ ہمارے معتقدات اور خیالات کے خلاف ہو گا۔ آپ پوری آزادی کے ساتھ جو چاہیں فرما سکتے ہیں۔ ہم خاموشی کے ساتھ اُسے سنیں گے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنا لیکچر شروع کیا۔ اور اسلام کی تعریف اسلام کی خصوصیات اور اسلامی تعلیمات پر جس قدر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی بیان کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اسلام زندہ مذہب ہے۔ کیونکہ اس کو خس و خاشاک سے پاک و صاف کرنے کے لیے خدا تعالیٰ ہمیشہ مقدس لوگوں کو بھیجتا رہا ہے۔ چنانچہ اس پرفتن زمانہ میں بھی خدا نے اپنا ایک فرستادہ ہندوستان میں بھیجا اور اس کو کہا کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ میں اسی مسیح محمدی کا ایک خادم ہوں۔ اور اس کا پیغام امریکہ والوں کو پہنچانے اور ان کو اسلام کی حقیقت بتانے کے لیے اس ملک میں آیا ہوں۔ مبارک وہ جو اس مسیح محمدی کو قبول کرے اور نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن میں ڈالے۔

یہ تقریر کر کے جب مفتی صاحب بیٹھ گئے تو پرنسپل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں اپنے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ میں نے ڈاکٹر صادق کو جو اس ملک میں اسلام کا نمائندہ ہو کر آئے ہیں۔ یہاں اپنے کالج میں بلانے اور لیکچر دینے کی دعوت دی۔ آج سے پہلے اسلام کے متعلق میرا یہ خیال اور عقیدہ تھا کہ مسلمان اسے کہتے ہیں جو محمدؐ کے بت کی پوجا کرے اور سچا مسلم وہ ہوتا ہے جو عیسائی کو جہاں موقع ملے فوراً مار ڈالے۔ لیکن آج اس لیکچر سے میرے یہ دونوں خیال کافور ہو چکے ہیں۔ اور میں آدھا مسلمان ہو چکا ہوں۔ اگر ڈاکٹر صادق کے دو لیکچر اور سن لوں تو پھر پورا مسلمان بن جاؤں گا۔ میں نہایت ممنون ہوں کہ ڈاکٹر صادق کا کہ انھوں نے ایسے دل نشین پیرایہ میں اور ایسے روشن دلائل کے ساتھ اسلام کی فوقیت اور حقانیت ہم پر ظاہر کی کہ جہالت اور ناواقفیت کے سارے پردے ہماری آنکھوں کے سامنے

سے ہٹ گئے۔ خدا کرے وہ پھر بھی یہاں آئیں اور ہمیں ان کی بیش بہا مذہبی معلومات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔

۔۲۔ مولوی شبلی سے ملاقات اور لکھنؤ کی زبان

اکتوبر ۱۹۱۰ء میں مدرسہ الہیات کانپور کے سالانہ جلسہ کے موقع پر منتظمین مدرسہ نے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں کانپور آنے اور جلسہ میں شرکت کرنے کی درخواست کی۔ حضرت خلیفہ اولؓ خود تو تشریف نہیں لے جا سکے۔ مگر آپ نے مولوی سرور شاہ صاحب۔ مولوی صدرالدین صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور حضرت مفتی صاحب کو اپنی طرف سے کانپور بھیج دیا۔ یہ اصحاب ۱۱ اکتوبر کو کانپور پہنچے۔ جلسہ میں شامل ہوئے۔ تقریریں کیں۔ تقریریں سنیں۔ اور ۱۵ اکتوبر کو لکھنؤ کے راستے سے قادیان روانہ ہو گئے۔

لکھنؤ میں گاڑی تبدیل ہوتی تھی۔ اور چند گھنٹوں کا وقفہ تھا۔ اس لیے یہ لوگ دارالعلوم ندوہ کی سیر کے لیے چلے گئے۔ مگر وہ تعطیلات کی وجہ سے بند تھا۔ یہاں سے ایک طالب علم کو بطور راہنما ہمراہ لے کر شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی سے ملاقات کرنے کے لیے گئے (خواجہ صاحب اس وقت ساتھ نہیں تھے) مولانا شبلی بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ اور پوچھنے لگے کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ آپ سب لوگ مرزا صاحب مرحوم کو نبی مانتے ہیں؟

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ "مولوی صاحب ہمارا عقیدہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ مگر ہم لوگ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل امت میں مکالمات الہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے اور حضور علیہ السلام سے فیض حاصل کر کے برابر اس قسم کے آدمی اُمت

میں شروع سے ہوتے رہے ہیں جن کو الہام الٰہی سے نوازا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی بتلائی جاتی تھیں جو پوری ہوتی رہیں اور خدا سے خبر پا کر جو شخص پیشگوئی کرے اسے عربی زبان میں نبی کہتے ہیں۔ اس لیے ان معنی کی رو سے ہم حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ احادیث میں بھی آنے والے مسیح موعود کا نام نبی اللہ کہا گیا ہے۔ آپ عربی زبان کے فاضل ہیں۔ آپ خود ہی بتلائیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے بکثرت غیب کی خبریں پائے اسے عربی میں نبی نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں؟

اس پر مولوی شبلی صاحب نے فرمایا "ہاں بے شک لغوی لحاظ سے ایسے شخص کو نبی ہی کہا جائے گا۔ اور عربی لغت میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ لیکن عوام اس مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گھبر لیتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔"

اس کے بعد گفتگو کا رخ پلٹ گیا اور مولوی شبلی صاحب فرمانے لگے کہ "میں مدت سے ایک بہت مشکل اور اہم مسئلہ کے متعلق سوچ رہا ہوں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنے طلبہ کو صرف عربی علوم پڑھاتے ہیں تو اُن میں سے وہ پرانی سستی۔ کمزوری اور پست ہمتی نہیں جاتی جو آج کل کے مسلمانوں کے لاحق حال ہو رہی ہے۔ لیکن اگر ان طلباء کو انگریزی علوم کا ایک معمولی چھینٹا بھی دے دیا جاتا ہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ دین اور مذہب کو بالکل چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس لیے حیران ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ البتہ میں نے آپ صاحبان کی جماعت میں یہ خوبی دیکھی ہے کہ اس کے ممبر انگریزی خواں بھی ہیں اور دین کے بھی پورے طور پر پابند ہیں۔"

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ "پھر مشکل تو آپ نے خود ہی حل کر لی"۔ (اس فقرہ سے مراد مفتی صاحب کی یہ تھی کہ احمدی ہونے سے یہ مشکل دور ہو سکتی ہے۔)

اس کے بعد مولوی شبلی صاحب نے حضرت خلیفۂ اول مولانا نورالدین کے علم و فضل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجھے اُن سے ملاقات کا نہایت درجہ اشتیاق ہے۔ ایک دفعہ میں ان کی ملاقات کے لیے قادیان جانے بھی لگا تھا، مگر کسی وجہ سے ایک اور طرف جانے کا اتفاق ہو گیا۔ جہاں مجھے ایک حادثہ پیش آیا جس کے سبب اب تو میں معذور بھی ہوں۔"

مولوی شبلی صاحب سے مل کر جب حضرت مفتی صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ واپس سٹیشن پر آ رہے تھے تو راستہ میں ایک بڑا دلچسپ لطیفہ ہوا۔ اثناء گفتگو میں حضرت مفتی صاحب نے رفقائے سفر سے کہا کہ "لکھنؤ کی عمارتیں تو کوئی بڑی شاندار معلوم نہیں ہوتیں۔ البتہ جے پور کی عمارتیں شاندار ہیں"۔ اُس وقت اتفاق سے کوئی عورت پیچھے پیچھے آ رہی تھی حضرت مفتی صاحب کا یہ فقرہ اس نے سنا تو بے ساختہ کہنے لگی " حضرت! لکھنؤ کی عمارتیں کیا دیکھتے ہو لکھنؤ کی زبان دیکھو۔ میں ایک مرتبہ جے پور گئی تو وہاں کے لوگ اپنے ہاں کی بڑی بڑی عمارتوں کی تعریف کرنے لگے۔ میں نے جل کر جواب دیا کہ عمارتیں بڑی ہیں تو کیا ہوا۔ کبوتر تو جنگلی ہیں"۔ (یعنی آدمی مہذب اور شائستہ نہیں اور ان کی بولی ٹھیک نہیں)۔

۷۱۔ قرآن مجید اور دوسری الہامی کتابیں

حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ایک بوڑھا مغل پاگل ہو گیا تھا اور گلی

کوچوں میں آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔ اس کا نام میران بخش تھا۔ ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ جن میں حضرت مفتی صاحب بھی تھے صبح کی سیر سے واپس آرہے تھے۔ اتفاقاً میراں بخش بھی ہمراہ تھا۔ اور حضور کی باتیں سن رہا تھا۔ جب حضور الحکم سٹریٹ میں پہنچے تو آپ کی تقریر اس مضمون پر تھی کہ "قرآن شریف ہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے کہ جس طرح نازل ہوئی تھی اب تک اسی طرح ہے۔ اور دیگر تمام کتب مقدسہ میں کمی بیشی ہو کر وہ قابلِ اعتبار نہیں رہیں۔ اب مخلوقِ خدا کے واسطے قرآن شریف ہی ایک مکمل ہدایت نامہ ہے"۔

جب حضور کی تقریر ختم ہوئی تو میراں بخش بلند آواز سے پکار اٹھا:۔

سڑ بل گئیاں پوتھیاں ہکّو رہیا قرآن

یعنی تمام اور کتابیں بے کار ہو گئیں۔ اب صرف قرآن شریف ہی رہ گیا۔ گویا اس طرح اُس نے حضرت مسیح موعودؑ کی تقریر کا خلاصہ اپنی پنجابی زبان میں چند لفظوں میں کر دیا۔

۲۷۔ یسوع کے ناصری کہلانے کا سوال

حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو اطلاع ملی کہ سندھ کے فلاں پیر صاحب عیسائیت کی طرف مائل ہیں اور عنقریب عیسوی مذہب اختیار کر لیں گے۔ اس پر حضرت خلیفۂ اوّل نے مفتی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ جائیں اور پیر صاحب کے خیالات کو درست کریں اور ان کو ایسا اقدام کرنے سے روکیں۔ خیر حضرت مفتی صاحب سندھ گئے اور دو رفیقوں کو ساتھ لے گئے۔ ایک شیخ عبدالرحیم نومسلم اور دوسرے محمد حسن خاں ساکن ریاست خیرپور میرس۔ پیر

صاحب کو سمجھایا۔ خدا کا شکر ہے کہ مفتی صاحب کی باتیں ان کی سمجھ میں آگئیں اور کئی دن کی گفتگو کے بعد وہ عیسائی ہونے سے رُک گئے۔

پیر صاحب کی طرف سے مطمئن ہو کر حضرت مفتی صاحب نے اپنے رفقاء سفر کے ساتھ حیدرآباد سندھ جانے کا قصد کیا۔ حیدرآباد پہنچ کر آپ نے وہاں کے بڑے پادری سے ملنا چاہا، تاکہ کچھ تبادلۂ خیالات ہو جائے۔ یہ پادری صاحب انگریز تھے اور چرچ آف انگلینڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ بہت اخلاق سے پیش آئے۔ اردو اچھی جانتے تھے اس لیے ان سے اردو میں ہی گفتگو ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب نے پوچھا:۔

"پادری صاحب! کیا میں آپ سے کوئی مذہبی سوال کر سکتا ہوں؟"

پادری صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ "ہمارا کام ہی سوالوں کا جواب دینا اور لوگوں کی تسلی کرنا ہے۔ آپ جو سوال چاہیں بے تکلف پوچھ سکتے ہیں۔"

صادق۔ اس عنایت کے لیے آپ کا نہایت شکریہ! مجھے اس وقت کوئی طویل گفتگو نہیں کرنی۔ صرف ایک مختصر سی بات پوچھنی ہے۔ اور وہ یہ کہ یسوع مسیح کی پیدائش کے وقت یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کو چند مجوسیوں نے بتایا کہ یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس پر بادشاہ بڑا گھبرایا اور کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کر کے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیے۔ انھوں نے کہا "بیت لحم میں"۔ اس پر بادشاہ نے مجوسیوں سے اس کے تلاش کرنے کو کہا۔ تاکہ وہ اگر مل جائے تو اسے جان سے مروا دے۔ جب بچے کی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا تو خداوند کے فرشتے نے مریم کے شوہر یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ "اُٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا اور جب

تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچے کی تلاش میں ہے۔"
چنانچہ فرشتے کی ہدایت کے مطابق یوسف فوراً اپنی بیوی مریم اور یسوع مسیح کو
ساتھ لے کر مصر روانہ ہوگیا۔ اِدھر جب ہیرودیس کو "یہودیوں کا بادشاہ"
نہ ملا تو اس نے غصہ میں آکر بطور پیش بندی بیت لحم اور اس کے قرب و جوار
کے وہ تمام بچے جن کی عمر دو برس یا اس سے کم تھی مروا ڈالے۔ اور اپنے نزدیک
مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ اس سارے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے انجیل میں
لکھا ہے :-

"جب ہیرودیس مرگیا تو دیکھو خداوند کے فرشتے نے مصر میں یوسف کو
خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اُٹھ۔ اِس بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل
کے ملک میں چلا جا۔ کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مرگئے۔ پس
وہ اٹھا اور بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں آگیا۔ مگر جب
سنا کہ اَرخِلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو
وہاں جانے سے ڈرا۔ اور خواب میں ہدایت پاکر گلیل کے علاقہ کو روانہ ہوگیا
اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا۔ تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا کہ وہ ناصری
کہلائے گا، پورا ہو۔ (متی۔ باب ۲۔ آیات ۱۹ تا ۲۳)

جناب پادری صاحب! اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یسوع کے
متعلق یہ بات کہ "وہ ناصری کہلائے گا" خدا نے کس نبی کی معرفت اور کب کہی
اور کس کتاب میں اس کا ذکر ہے؟ میں نے بائیبل کی تمام کتابیں چھان ماریں
پرانے عہد نامہ کے تمام صحائف کو غور سے دیکھا۔ ایک ایک باب اور ایک ایک
آیت کو پڑھا۔ مگر مجھے کوئی ایسا حوالہ اب تک نہیں ملا۔ پس آپ مہربانی فرما کر
مجھے بتائیں کہ مسیح کے متعلق یہ پیش گوئی کہ "وہ ناصری کہلائے گا"، صحائفِ گذشتہ

میں سے کس صحیفہ میں پائی جاتی ہے؟

حضرت مفتی صاحب کی یہ گفتگو سن کر پادری صاحب کچھ گھبرا سے گئے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد فرمانے لگے "یہ تو بہت مشکل سوال ہے! میں اس کا کچھ جواب ابھی نہیں دے سکتا۔" لے

یہ کہہ کر کرسی پر سے کھڑے ہو گئے اور کمرہ میں ٹہلنے لگے۔ ٹہلتے جاتے تھے اور بار بار آپ ہی آپ یہ فقرہ کہتے جاتے تھے کہ "یہ تو بہت مشکل سوال ہے۔ یہ تو بہت مشکل سوال ہے۔"

دو تین منٹ کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ "پادری صاحب! ساتھ کے ساتھ اس امر میں بھی غور فرمائیں کہ اگر پہلی کتابوں میں یسوع کے متعلق یہ پیشگوئی موجود نہیں ہے تو صاف ظاہر ہے کہ انجیل کا یہ بیان صحیح نہیں۔ اور اس

لے واضح ہو کہ عیسائی صاحبان اس معقول مطالبہ کا عام طور پر یہ مہمل سا جواب دیا کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی یسعیاہ نبی کی کتاب کے گیارھویں باب کی پہلی آیت میں آتی ہے۔ جہاں لکھا ہے کہ "یسی کے تنہ سے ایک کونپل نکلے گی اور اسکی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہو گی اور خداوند کی روح اس پر ٹھیرے گی"۔ حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ ناصرہ اور یسی میں کوئی ادنیٰ سی بھی مشابہت یا مناسبت نہیں پائی جاتی۔ پھر یسوع اور کونپل کا کیا تعلق ہے؟ ناصری کہلانا اور بات ہے اور کونپل پھوٹنا اور بات ہے۔ اس پیشگوئی میں اور اس بیان میں کوئی مناسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ عیسائی صاحبان کی یہ ایسی عجیب و غریب تاویل ہے جس کے متحمل انجیل کے الفاظ کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ انگریز عام طور پر ہٹ دھرم نہیں ہوتے۔ کسی بات کی کوئی معقول توجیہ ان کی سمجھ میں نہ آئے تو صفائی کے ساتھ اس کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ اسی لیے ان انگریز پادری صاحب نے بھی عیسائیوں کی اس مندرجہ بالا کمزور تاویل کو پیش نہ کیا اور صاف طور پر اقرار کر لیا کہ "میں اس کا جواب ابھی نہیں دے سکتا"۔

صورت میں کتاب اور اس کی پیش گوئیوں اور بیانات کا اعتبار بالکل اٹھ جاتا ہے۔ اور انجیل کی کوئی وقعت معقول پسند طبقہ میں نہیں رہتی۔"

اس پر پادری صاحب کہنے لگے کہ "بہت مشکل سوال ہے۔ اچھا کیا آپ اب جائیں گے؟

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ "ہاں اگر آپ جواب نہیں دے سکتے تو پھر مجبوراً جانا ہی پڑے گا۔"

۴۷۔ عیسائیوں کو ایک دلچسپ چیلنج

امریکہ میں حضرت مفتی صاحب کا مستقر شہر شکاگو تھا۔ ایک دفعہ فروری ۱۹۲۱ء میں شہر ڈی ٹرائٹ کے ایک صاحب نے مفتی صاحب کو لکھا کہ اگر آپ چند روز کے لیے یہاں آسکیں تو "اسلام" پر آپ کے چند لیکچروں کا انتظام ہو سکتا ہے۔ ڈی ٹرائٹ امریکہ میں موٹر کے کارخانوں کے لیے مشہور ہے۔ جن میں سب سے بڑا کارخانہ ہنری فورڈ کا ہے۔ پچاس ہزار آدمی اس کارخانہ میں ملازم ہیں۔ شہر کا رقبہ ۸۰ مربع میل ہے اور آبادی ۱۰ لاکھ۔ اس شہر میں ایک یونیورسٹی۔ چھ کالج۔ ۲۰۰ ہائی سکول۔ ۴۰۰ گرجے۔ چار ریلوے سٹیشن۔ ۴۰ باغ عامہ۔ گیارہ شفا خانے۔ ۵۷ آگ بجھانے کے اسٹیشن۔ ۱۵ لائبریریاں۔ ۱۰ تھانے۔ پانچ بڑے بازار آٹھ روزانہ اخبارات اور تین ہزار کارخانے ہیں۔ مفتی صاحب ۵ فروری ۱۹۲۱ء کو یہاں تشریف لے گئے اور ۷ فروری کی شام کو شہر کے ایک نہایت وسیع ہال میں آپ کا لیکچر ہوا۔ جو سارے کا سارا مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے لیکچر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق اور وسعتِ قلبی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت

میں مدینہ آیا۔ حضورؐ نے ان کو اپنی مسجد میں اُتارا۔ اور جب اتوار کا دن ہوا تو اسی مسجد میں ان کو اپنا گرجا کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ واقعہ تیرہ سو برس پہلے عرب میں واقع ہوا۔ میں جو اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ خادم اور غلام ہوں اور حضور کے دین کو پھیلانے کے لیے اور اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے اس ملک میں آیا ہوں۔ ڈی ٹرائٹ کے تمام پادری صاحبان کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر ان میں اخلاق۔ مروّت۔ حوصلہ اور جرأت ہے تو مجھے جمعہ کے دن اپنے کسی گرجا میں اپنے طور پر اسلامی نماز پڑھنے کی اجازت دیں۔ تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کس قدر وسیع الحوصلہ اور احسن اخلاق کے مالک ہیں؟ اور پھر نبی عربؐ اور چرچ کے اخلاق کا موازنہ ہو سکے۔

اس چیلنج کی اطلاع روزانہ اخبارات کے نامہ نگاروں نے جو لکچر میں موجود تھے فوراً اپنے اپنے اخبار کو پہنچائی۔ اور انھوں نے نہایت نمایاں طور پر اسے اُسی دن شائع کر دیا۔ بلکہ ایک اخبار نے تو یہ کام کیا کہ اپنا ایک نمائندہ شہر کے تمام بڑے بڑے پادریوں کے پاس بھیجا۔ کہ مسٹر صادق نے یہ چیلنج دیا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

یہ نامہ نگار خصوصی شہر کے تمام پادریوں کے پاس گیا۔ مگر سب نے بالاتفاق انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اپنا گرجا کسی محمدی کو نماز پڑھنے کے لیے نہیں دے سکتے۔ ایک پادری صاحب نے کہا کہ مسلمان کو گرجا دینا ایسا ہے جیسے جرمن کو اپنا قلعہ حوالے کر دینا کہ وہ اس میں اطمینان سے بیٹھ کر ہم پر گولہ باری کرے۔ (اُس زمانہ میں پہلی جنگِ عظیم کو ختم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔) غرض سارے شہر میں سے کوئی ایک پادری بھی ایسا نہ نکلا جو کہتا کہ آؤ ہمارے گرجا میں اور اپنے طور پر وہاں نماز پڑھ لو۔ سب نے کچھ نہ کچھ عذر کر دیے۔ بعض پادری صاحبان نے زبانی انکار پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اخباروں

میں مضمون شائع کرائے کہ اسلام عیسائیت کا سخت دشمن ہے۔ پس اس صورت میں ہم کس طرح اس امر کی اجازت دے سکتے ہیں کہ اسلام کا ایک مشنری ہمارے گرجا میں آکر نماز پڑھے؟

حضرت مفتی صاحب نے اس کے جواب میں ایک اخبار میں مضمون لکھا کہ" میں عیسائیوں کا دشمن اور عیسائیت کا مخالف نہیں۔ بلکہ ان کا نہایت خیر خواہ اور ہمدرد ہوں۔ حضرت عیسیٰ کو خدا کا سچا نبی سمجھتا ہوں۔ اور عیسائیوں سے زیادہ ان کا ادب اور ان کی عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ عیسائی ان کو ملعون شدہ مانتے ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ نہایت مبارک اور مقدس انسان تھے۔ مگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بات فرض کر لو کہ میں عیسائیت کا دشمن ہوں۔ تو کیا تم دن رات اپنے گرجوں میں متی کی اس آیت کا وعظ نہیں کرتے کہ" اپنے دشمنوں سے محبت کرو" (متی باب ۵۔ آیت ۴۴)۔ افسوس یہ ہے کہ محبت۔ صلح۔ آشتی اور رواداری کی جو تعلیم تم لوگوں کو دیتے ہو۔ خود تمہارا اُس پر عمل نہیں۔ یہ بات میں تمہارے منہ سے کہلوانا چاہتا تھا سو تم نے کہہ دی۔ اب تم قطعاً نہ گھبراؤ۔ مجھے نماز کے لیے تمہارے گرجوں کی بالکل ضرورت نہیں۔ اور نہ تمہارے گرجوں کی ساخت اور ان کا فرنیچر ایسا ہوتا ہے کہ وہاں بآسانی نماز پڑھی جا سکے۔

اس پر سارے پادری اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

۴۷۔ کیا مسیح نے اپنی پرستش کا حکم دیا؟

امریکہ میں ایک مرتبہ ایک ہندوستانی نوجوان نے جو وہاں مقیم تھا مفتی صاحب کو اپنے مکان پر بلایا۔ حضرت مفتی صاحب جس وقت اُن کے ہاں پہنچے تو وہاں اتفاق سے ایک پادری صاحب بیٹھے تھے۔ ان سے کچھ مذہبی گفتگو ہونے لگی۔ اسی اثناء

میں پادری صاحب نے ایک بڑا عجیب و غریب فقرہ استعمال کیا۔ فرمانے لگے:۔
"مسیح کے خدا ہونے کا بڑا زبردست ثبوت یہ ہے کہ انجیل میں اس نے خود فرمایا ہے کہ میری پرستش کرو۔"

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:۔ "پادری صاحب! یہ غریب مسیح پر سراسر بہتان ہے۔ اس نے کہیں اپنی عبادت کرنے کے لیے نہیں کہا۔ اگر آپ چاروں انجیلوں میں سے کسی میں مسیح کا یہ حکم دکھا دیں تو زیادہ نہیں مگر ۲۰ ڈالر میں آپ کو بطور انعام دوں گا۔"

اس پر پادری صاحب کہنے لگے "ابھی لیجیے" بھاگ کر انجیل لائے۔ اور دیر تک اس کے ورق اُلٹتے پلٹتے رہے۔ اور پھر فرمانے لگے "حوالہ تھا تو سہی تو مگر نہ معلوم کیا بات ہے اس وقت نہیں ملتا۔ اطمینان سے دیکھ کر کسی دوسرے وقت لاؤں گا۔" مگر وہ "دوسرا وقت" کبھی نہیں آیا۔

۵۷۔ "میں اپنے منہ کی بات سے پکڑا گیا"

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کو کسی ضرورت سے گورداسپور جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں عیسائیوں کا زبردست کمپونڈ ہے اور ایک عالی شان کوٹھی بنی ہوئی ہے اُس وقت وہاں ایک امریکن پادری صاحب آئے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب ایک دوست کے ہمراہ اُن کے پاس پہنچے۔ غیر معمولی علیک سلیک کے بعد پادری صاحب فرمانے لگے کہ "اگر آپ کو کوئی بات پوچھنی ہو تو آپ پوچھ سکتے ہیں؟"

حضرت مفتی صاحب نے جواباً فرمایا کہ "پادری صاحب! کفارہ کا مسئلہ ایسا ہے کہ کسی طرح عقلِ انسانی میں آ ہی نہیں سکتا۔ اس پر اگر آپ روشنی ڈالیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

پادری صاحب بولے "دیکھیے! آدمی فطرتاً گنہگار پیدا ہوا ہے پس جب تک کوئی اس کے بار کو نہ اُٹھائے وہ اس بوجھ سے نجات نہیں پا سکتا۔ اسی لیے خدا کو انسان کی خاطر اس کے سارے گناہ اپنے پیارے بیٹے پر لادنے پڑے۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ خدا قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہے۔ جسے چاہے بخش دے۔ جسے چاہے معاف کر دے۔ اس سے اس کی خدائی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کوئی بنیا نہیں کہ کسی کو اس کا قرض معاف ہی نہ کر سکے۔

پادری صاحب - ایک آدھ آدمی کی بات ہو۔ یا ایک دو دفعہ کا گناہ ہو تو خدا معاف بھی کر دے۔ لاکھوں لاکھ آدمی جو دن رات گناہ کرتے رہتے ہیں یہ بغیر بدلہ کے کس طرح معاف ہو سکتے ہیں؟

مفتی صاحب - اچھا خیر اس ذکر کو چھوڑیے۔ اور یہ بتائیے کہ اگر آپ کے نوکر کے پاس آپ کے پانچ روپے واجب ہوں اور آپ وہ رقم معاف کرنا چاہیں۔ تو کیا آپ وہ پانچ روپے معاف کرتے وقت اپنے بیٹے کو بلا کر اس سے کہیں گے کہ میں پانچ روپے اپنے اس نوکر کو معاف کرتا ہوں تم وہ پانچ روپے مجھے دو۔؟

پادری صاحب - بیٹے سے کیا پوچھنا ہے۔ میرا روپیہ ہے۔ جسے چاہوں معاف کر دوں۔ جسے چاہوں دے دوں۔ بیٹا میرے معاملہ میں دخل دینے والا کون؟

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا " یہ آپ نے خوب بات کہی بے شک بیٹے کو آپ کے معاملہ میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ آپ یقیناً اپنے مال کے مالک ہیں جسے چاہیں دیدیں اور جسے چاہیں معاف کر دیں۔ آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ معاف کرتے وقت بیٹے سے پوچھیں لیکن پادری صاحب ذرا غور تو فرمائیں کہ کیا خداوند خدا گناہوں کے بخشنے پر آپ جتنا بھی اختیار نہیں رکھتا؟ اور اس بات کا محتاج ہے کہ بیٹے کو قربان کر کے خلقت کے گناہ بخشے۔ سخت تعجب ہے کہ آپ پانچ روپے نوکر کو معاف کرتے وقت تو اپنے بیٹے کو بلانا ضروری نہ سمجھیں۔ لیکن خدا کے لیے یہ بات ضروری ٹھہراتے ہیں کہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرتے وقت بیٹے سے پوچھے۔

اس پر پادری صاحب نے کہا کہ " میں تو اپنے منہ کی بات سے پکڑا گیا اب میں اس کا کیا جواب دوں؟

جب حضرت مفتی صاحب نے دیکھا کہ پادری صاحب سے کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔ تو آپ نے وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ان سے رخصت ہو کر واپس چلے آئے۔

۱۷۔ چندروز "ونٹ نور" میں

قیام انگلستان کے زمانہ میں ایک دفعہ جنوری ۱۹۱۶ء میں حضرت مفتی صاحب چندروز کے لیے لندن سے ایک قصبہ ونٹ نور میں گئے تھے۔ موسم سرما مفتی صاحب نے یہیں گذارا جہاں سردی لندن کی نسبت کم پڑتی ہے۔ وہاں بعض واقعات مفتی صاحب کو بہت دلچسپ پیش آئے جنھیں ہم مختصراً یہاں

بیان کرتے ہیں۔

(۱) **رحل پر قرآن** - ایک مقامی معزز لیڈی مس میڈک نے ایک دن آپ کو ایک ٹی پارٹی دی۔ جس میں قصبہ کے تمام معزز اصحاب کو بھی مدعو کیا۔ یہ لیڈی صاحبہ ہندوستان۔ شام۔ مصر اور امریکہ کی سیر کر چکی تھیں اور ہر جگہ سے نہایت عمدہ اور نفیس چیزیں فراہم کر کے انھوں نے اپنی وسیع کوٹھی کے ایک کمرہ میں ایک چھوٹا سا عجائب خانہ بڑے سلیقہ کے ساتھ مرتب کیا تھا اور ہر مہمان کو اسے دکھاتی تھیں۔ منجملہ اور اشیاء کے وہاں ایک رحل رکھی ہوئی تھی جو غالباً کشمیر کی تھی اور اس پر نہایت خوبصورت نقش و نگار کھدے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ چیز ہمارے ملک میں قرآن شریف رکھنے کے کام آتی ہے۔ یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب نے اپنے پاس سے ترجمۃ القرآن کا پہلا انگریزی پارہ نکالا اور لیڈی صاحبہ سے کہا کہ یہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔ اسے آپ مہربانی فرما کر اس خالی رحل پر رکھدیں۔ جس کے لیے یہ بنائی گئی ہے۔ تاکہ جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آئے تو اسے پڑھے۔ لیڈی صاحبہ نے نہایت شوق سے اسے لیا۔ مفتی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ادب کے ساتھ میز پر رکھدیا۔ اب جو کوئی آتا ہے اسے دیکھتا ہے اور پڑھتا ہے۔

(۲) **بی۔ ایم** - اس قصبہ میں جس لیڈی کے مکان پر حضرت مفتی صاحب قیام پذیر تھے تو ایک پادری صاحب انھی دنوں میں اس کے ہاں مہمان آئے اُن سے حضرت مفتی صاحب کی مذہبی گفتگو ہونے لگی۔ جس کے دوران میں حضرت مفتی صاحب نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔ اس پر وہ پادری صاحب کہنے لگے کہ "بے شک محمد خدا کا نبی تھا۔ کیونکہ سوائے نبی کے کوئی اور آدمی اتنا بڑا روحانی کام نہیں کر سکتا"! جب چائے پر بیٹھے تو بسکٹوں پر اتفاق سے

انگریزی کے حروف P.M لکھے ہوئے تھے۔ پادری صاحب ہنس کر کہنے لگے "دیکھیے آپ کے کھانے کے لیے جو بسکٹ آئے ہیں ان پر بھی پی، ایم یعنی پرافٹ محمد لکھا ہوا ہے۔

(۳) پادری کے گھر میں اذان۔ یہاں کے ایک پادری صاحب نے مفتی صاحب کو چائے کی دعوت دی۔ انھوں نے اور لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ میز پر کچھ مذہبی گفتگو چل پڑی تو ایک موقع پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ "ہم مسلمان نماز کے وقت لوگوں کی اطلاع کے لیے نہ تو گھنٹہ بجاتے ہیں نہ ناقوس۔ بلکہ اذان دیتے ہیں"۔ حاضرین پوچھنے لگے کہ اذان کیا ہوتی ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ انھوں نے سمجھا ہو گا کہ یہ اذان بھی گھنٹہ یا گھڑیال کی طرح کوئی چیز ہو گی جسے نماز کے وقت مسلمان بجاتے ہوں گے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "میں ابھی آپ کو عملی طور پر بتاتا ہوں کہ اذان کیا ہوتی ہے اور اس کا عملی طریقہ کیا ہے؟" یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب کرسی سے کھڑے ہو گئے اور آپ نے بلند آواز کے ساتھ اذان دی۔ جب تک حضرت مفتی صاحب اذان دیتے رہے تمام حاضرین بڑی حیرت اور شوق کے ساتھ مفتی صاحب کو دیکھتے رہے۔ گویا وہ کوئی بہت ہی عجیب کام کر رہے ہیں۔ جب مفتی صاحب اذان دے چکے تو حاضرین نے کہا کہ جو کلمات آپ نے اس وقت پڑھے ہیں ان کا انگریزی ترجمہ بھی ہمیں سنائیے۔ اس پر مفتی صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ ساری اذان کا ترجمہ سب لوگوں کو سنایا جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ انگلستان میں یہ غالباً سب سے پہلی اذان تھی جو ایک پادری کے گھر میں دی گئی۔

(۴) **بجائے بیوی کے ماں**۔ انہی پادری صاحب کا قصہ ہے کہ جب چائے کی دعوت دینے پر حضرت مفتی صاحب ان کے ہاں گئے تو مفتی صاحب نے دیکھا کہ پادری صاحب اپنی بیوی کو بار بار "ماں" کہکر خطاب کر رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب اس پر بے اختیار ہنسنے لگے۔ پادری صاحب نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو مفتی صاحب فرمانے لگے کہ جو لفظ آپ اپنی بیوی کے لیے استعمال کر رہے ہیں اگر یہی الفاظ ہمارے ہندوستان میں کوئی شخص اپنی اہلیہ کے لیے استعمال کرے تو اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اسے اپنے لیے حرام سمجھتا ہے۔ اور اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ پادری صاحب فرمانے لگے کہ "ہم لوگ ایسی باتوں کا خیال کبھی نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ جن الفاظ کے ساتھ ہم میاں بیوی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں وہی الفاظ بچے سیکھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنی بیوی کو ماں کہہ کر بلاتا ہوں تاکہ بچے بھی اسے ماں کہیں۔ لیکن میری بیوی اس بات کی احتیاط نہیں کرتی وہ میرا نام لے کر مخاطب کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بچے بھی میرا نام لیتے ہیں"۔

مفتی صاحب نے کہا "یہ تو خوب لطیفہ ہے"۔ اور ہنس کر چپ ہو گئے

(۵) **عیسائیوں کے روزے**۔ عیسائیوں میں ایک تہوار ہے "ایش وینز ڈے" (Ash Wednesday) اس تہوار سے ان کے روزے شروع ہوتے ہیں۔ یہ تہوار بالخصوص رومن کیتھولک مسیحیوں میں بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ اس کی کیفیت جس کا لطف مفتی صاحب نے قصبہ

"ڈنٹ نور" میں اٹھایا۔ خود حضرت مفتی صاحب کی زبان سے سنیئے فرماتے ہیں:۔

"دوسرے دن صبح میں مقامی رومن کیتھولک گرجا میں گیا۔ وہاں کے پادری صاحب سے واقفیت تھی۔ انھوں نے مجھے ایسی جگہ بٹھا دیا جہاں سے سارا تماشا آسانی سے دکھائی دیتا تھا۔ پہلے ایک چاندی کے برتن میں راکھ لائی گئی۔ دو پادریوں نے اس برتن کو سامنے رکھ کر لاطینی زبان میں بڑی تیزی اور روانی کے ساتھ بہت سی دعائیں پڑھیں۔ حاضرین تو کیا خاک سمجھتے۔ غالباً خود پادری صاحبان بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ کیا رٹ رہے ہیں۔ اس کے بعد پادری صاحبان نے ایک دوسرے کے سر پر ایک ایک چٹکی راکھ کی رکھ دی پھر حاضرین میں سے ایک ایک آدمی ممبر کے قریب جاتا رہا۔ اور پادری صاحبان ہر ایک کی پیشانی پر راکھ کا تلک لگاتے رہے۔ جیسے نماز ختم ہوئی۔

نماز کی کیفیت آپ نے پڑھ لی۔ اب لگے ہاتھوں روزے کی تفصیل بھی سن لیجیے۔ جو نماز سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ "ایش وینز ڈے" سے عیسائیوں کے روزے شروع ہوتے ہیں۔ اور چالیس دن تک رہتے ہیں۔ عیسائیوں میں روزہ صرف اس کا نام ہے کہ ان ۴۰ دنوں میں جتنے جمعے آئیں اس دن غذا ذرا ہلکی کھائی جائے۔ لیکن اس بات کی اجازت ہے کہ اس کی کمی پورے طور پر مشروبات سے پوری کر لی جائے۔ خواہ کتنا ہی پی لیا جائے اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ نہ کوئی حد اس پر قائم کی جا سکتی ہے۔

یہ عجیب وغریب روزہ سن کر ناظرین کو شوق پیدا ہوا ہو گا کہ معلوم کریں کہ عیسائی شریعت میں "ہلکی غذا" کی کیا تشریح بیان کی گئی ہے۔ لیجیۓ وہ بھی حاضر ہے۔

"ہلکی غذا" سے مراد یہ ہے کہ روزانہ کے کھانے میں گوشت استعمال نہ کیا جائے۔ مگر اس کی بجائے مچھلی۔ انڈا۔ دودھ۔ بسکٹ۔ فیرنی اور مٹھائی جس قدر چاہو کھاؤ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ سبزی بھی جس قدر چاہو نوش کرو۔ کچھ ہرج نہیں۔ یاد رہے کہ گوشت کی یہ پابندی صرف جمعہ کے دن کے لیے ہے۔ باقی ایام میں کسی چیز کی کوئی ممانعت نہیں۔ کھاؤ اور مزے اڑاؤ۔ چالیس دن میں پانچ جمعے آتے ہیں۔ سال بھر میں اگر پانچ روز گوشت نہ کھایا تو کونسا آدمی اس سے دبلا ہو سکتا ہے۔

(۲) **ایک پادری صاحب سے گفتگو**۔ اُس زمانہ میں پہلی جنگ عظیم ہو رہی تھی۔ ایک روز ایک پادری صاحب سے اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب کی مزیدار گفتگو ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا "اگر مذاہب کی تعلیم کا باہم مقابلہ کیا جائے تو مذہب اسلام کی رو سے گورنمنٹ برطانیہ کا اِس جنگ میں شامل ہو کر جرمنی کا مقابلہ کرنا بالکل حق اور جائز ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں صاف حکم ہے کہ اگر تم پر کوئی حملہ کرے تو اس کا مقابلہ کرو۔ ظالم کو اس کے ظلم سے روکو۔ کمزور کی مدد کرو۔ لیکن اس کے بالمقابل آپ کے دینِ عیسوی کے متعلق کیا کہیں جہاں لکھا ہے:۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (متی۔ باب ۵ آیت ۳۹-۴۱)۔

پادری صاحب۔ بات یہ ہے کہ مسیح کے بعض احکام صرف اُسی کے

زمانہ کے لیے تھے۔ ہمارے لیے ضروری نہیں کہ ہم ہر بات میں اس کی پیروی کریں۔ اور جو حکم آج سے اُنیس سو برس پہلے دیا گیا تھا اُس پر آج بیسویں صدی میں عمل کریں۔ مسیح کا نمونہ ہمارے لیے لائق تقلید نہیں۔

صادق۔ پھر آپ عیسائی کیوں کہلاتے ہیں۔ جس کے نمونہ کی آپ پیروی کر رہے ہیں اسی کے کہلائیں۔

پادری صاحب۔ یہ تو بہت مشکل بات ہے۔ بہرحال ہم عیسائی ہیں۔ اور عیسائی مذہب قدیم خیالات کا پابند نہیں وہ ایک ترقی کرنے والا مذہب ہے۔

صادق۔ تو پھر ایسا ترقی کرنے والا مذہب عیسویت تو نہ ہوا عیسائی مذہب تو وہ ہے جو خود مسیح نے سکھایا۔

اس پر پادری صاحب نے بات کو ٹال کر کوئی اور ذکر شروع کر دیا۔

۷۷۔ خدا نے بچایا

امریکہ میں ایک دفعہ ایک سخت واقعہ مفتی صاحب کے ساتھ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اور خدا نے محض اپنے فضل سے ان کو بال بال بچا لیا۔ قصہ یہ ہوا کہ ایک امریکن لڑکی مفتی صاحب کے زیر تبلیغ تھی۔ رفتہ رفتہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہو گئی۔ اس کی ماں نہایت درجہ متعصب اور اکھڑ عورت تھی۔ اس نے اول تو ہر ممکن ذریعہ سے اپنی لڑکی کو مسلمان ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن جب کچھ نہ بنا تو اس نے یہ کام کیا کہ حضرت مفتی صاحب

پر عدالت میں دعویٰ کر دیا کہ ان کا مشن بڑا خطرناک ہے۔ یہ لوگ لڑکیوں کو بھگا کر لے جاتے ہیں۔ اور پھر ان کی شادیاں مسلمانوں سے کر دیتے ہیں۔ اور میری لڑکی کو بھی یہ لوگ بھگا کر لے جانا چاہتے ہیں۔

مقدمہ کی شکل بظاہر بڑی خوفناک تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ مقدمہ ابتدائی منزل ہی میں ڈسمس ہو گیا۔ اور مفتی صاحب نے ایک بھاری فکر سے نجات پائی۔ الحمد للہ۔

۷۸۔ خدائی قدرت کا ظہور

دورانِ قیامِ امریکہ میں جو خطوط حضرت مفتی صاحب "الفضل" کو اشاعت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک میں (جو ۱۵ر فروری ۱۹۲۳ء کے پرچہ میں شائع ہوا) مفتی صاحب نے ایک فریدار لطیفہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-

کرسمس پر یہاں ڈاک کی بہت کثرت ہوتی ہے اور ڈاک خانوں میں آدمیوں کی بہت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ گذشتہ کرسمس کے موقع پر ایک لیڈی شہر کلیولینڈ (Cleveland) کے ڈاکخانہ میں ایک پارسل کو پوسٹ کرانے کے لیے گئی۔ ایک چھوٹا سا بچہ اس کی گود میں تھا۔ اور پارسل کی کھڑکی کے پاس لوگوں کا بڑا انبوہ جمع تھا۔ اس نے چھوٹے بچے کو ہجوم سے بچانے کے لیے پارسلوں کے ایک ڈھیر پر لٹا دیا۔ جو ڈاکخانہ کی ایک گاڑی پر لدا ہوا تھا۔ اور اپنے آپ پارسل پوسٹ کرانے لگی۔ جب

گر اچکی اور بچہ کو دیکھا تو نہ بچہ تھا۔ نہ پارسلوں کا ڈھیر۔ بچاری بڑی پریشان ہوئی کہ یہ کیا ہو گیا اور میرا بچہ کہاں گیا۔ اِدھر اُدھر بہت بھاگی دوڑی۔ مگر بچہ کا نشان نہ ملا۔

اس واقعہ کے تین گھنٹے کے بعد جس کمرہ میں ڈاک کے تھیلے پڑے تھے اس میں ایک تھیلے میں سے ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ کلرک نے گھبرا کر تھیلے کو کھولا تو اس میں سے ایک جیتا جاگتا صحیح سلامت بچہ نکل آیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ اِدھر تو ماں بچہ کو پارسلوں کے ڈھیر پر لٹا کر پارسل کرانے کے لیے ڈاکخانہ کی کھڑکی پر گئی۔ اور اُدھر ڈاک خانہ کے ملازمین اس گاڑی کو جس پر ڈاک کے پارسل لدے ہوئے تھے اور جس پر بچہ سویا پڑا تھا کھینچ کر اندر لے گئے۔ بچہ ان کی نظر نہ پڑا۔ انھوں نے تمام پارسل جلدی سے تھیلوں میں اُلٹ دیے اور ان کا منہ بند کر کے کمرہ میں ڈال دیا اور اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اسی اُلٹنے میں وہ بچہ بھی ایک تھیلے میں چلا گیا اور بند ہو گیا۔ جب تھیلے میں بچہ کا دم گھُٹا اور اس کی آنکھ کھلی اور اس نے رونا شروع کیا جب پتہ چلا۔ اور اسے تھیلے سے نکالا گیا۔

سچ ہے "جسے خدا رکھے اسے کون چکھے"۔

امریکہ ہی کا ایک واقعہ میں نے عرصہ ہوا کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ نیو یارک میں ایک ڈاکیہ ڈاک تقسیم کرتا ہوا ایک گلی سے گذر رہا تھا۔ کہ ناگہاں اُس نے دیکھا کہ ایک پنج منزلہ مکان کے اوپر کی منزل سے ایک چھوٹا سا بچہ نیچے گرا۔ سوچنے کا وقت قطعاً نہ تھا۔ ڈاکیہ نے بغیر ایک سیکنڈ کے وقفہ کے انتہائی پھرتی کے ساتھ ڈاک زمین پر پھینک دی اور ڈاک کا خالی

تھیلا کھول کر بڑی سرعت کے ساتھ آگے بڑھا۔ اور عین اس جگہ آ کر کھڑا ہو گیا جہاں بچے کو گرنا تھا۔ اتنے میں بچہ زمین تک پہنچ چکا تھا۔ ڈاکیہ پہلے ہی تیار کھڑا تھا۔ بچہ سیدھا اُس کے تھیلے میں گرا۔ اور اسے خراش تک بھی نہ آئی۔

اس کے بالمقابل میں نے تھوڑے دن بعد ایک اخبار میں پڑھا کہ جہاز لندن سے ہندوستان آرہا تھا۔ جب عدن سے گذر لیا تو ایک انگریز جو فرسٹ کلاس کا مسافر تھا، عرشۂ جہاز پر کھڑا سمندر کی سیر سے لطف اٹھا رہا تھا۔ کہ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرا۔ ایک بہت بڑی مچھلی منہ کھولے سمندر میں کھڑی تھی۔ انگریز سیدھا اس کے منہ میں گیا۔ مچھلی نے اپنا شکار پاکر منہ بند کر لیا اور اطمینان کے ساتھ سمندر میں غوطہ لگا کر غائب ہو گئی۔ جہاز فوراً ٹھہر گیا۔ انگریز کے جن ساتھیوں نے یہ روح فرسا نظارہ دیکھا تھا انھوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر بہت تلاش کیا۔ مگر بے سود۔

۷۹۔ اگر حضرت مسیح ناصری امریکہ تشریف لیجائیں؟

حضرت مفتی صاحب نے امریکہ سے انگریزی میں ایک تبلیغی رسالہ (Muslim Sun Rise) کے نام سے نکالا تھا۔ اُس کے اپریل ۱۹۲۲ء کے پرچہ میں آپ نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ اور جون ۱۹۲۲ء کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں اس کا اردو ترجمہ چھپا تھا۔ مضمون چونکہ نہایت دلچسپ اور مزیدار ہے، اس لیے ہم اسے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ ناظرین پڑھیں اور لطف اٹھائیں۔ دراصل یہ مضمون نتیجہ ہے اُن مشکلات اور تکالیف کا جن سے حضرت مفتی صاحب کو امریکہ میں داخلہ کے وقت دوچار ہونا پڑا۔ وھو ھذا:—

اگر جنابِ مسیح علیہ السلام جن کا وجود خاکی سرینگر (کشمیر) ہندوستان میں آسودہ اور اُن کی مقدس روح بہشت میں دیگر انبیا رعلیہم السلام کی ارواح طیبات کے ساتھ مقیم ہے۔ اِن دنوں زندہ ہوتے اور ان کو امریکہ کی سَیر کا خیال آتا تو آپ سے امریکہ کے امیگریشن ڈیپارٹمنٹ (Immigration Department) کے ارکان (باوجود نفرا کاراِن مسیح ہونے کے) کِس طرح سلوک کرتے اس کا ایک دلچسپ نقشہ ہم یہاں کھینچتے ہیں۔ اور اس میں تمام سوال وجواب درج کرتے ہیں جو حضرت مسیح پر بھی منجملہ دیگر سمندری مسافروں کے کیے جاتے۔

افسر۔ براہِ کرم اپنے ہاتھ بلند کر کے حلف اٹھایئے کہ آپ سچ بولیں گے۔

حضرتِ مسیحؑ۔ قسم اٹھانا میرے عقیدے کے خلاف ہے۔ اس لیے میں قسم نہیں کھاؤں گا۔

افسر۔ آپ کا نام؟

حضرتِ مسیح۔ یسوع۔

افسر۔ آپ کا پہلا نام؟

حضرتِ مسیح۔ یہی میرا پہلا نام ہے۔

---

[۱] یعنی وہ محکمۂ احتساب جو ان لوگوں کے متعلق تحقیقات کرتا ہے جو بیرونی ممالک سے آکر امریکہ میں داخل ہونا چاہیں۔

افسر۔ آپ کا دوسرا نام ؟

حضرت مسیح۔ میرا کوئی دوسرا نام نہیں۔ میرا تو صرف یہی ایک نام ہے۔

افسر۔ (حیران ہو کر) آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے والد کا نام کیا ہے ؟

حضرت مسیح۔ میرا کوئی باپ نہیں۔

افسر۔ (اور زیادہ متعجب ہو کر) ہیں! آپ کا کوئی باپ نہیں؟ پھر آپ پیدا کس طرح ہو گئے ؟

حضرت مسیح۔ معجزانہ طور پر۔ جو کچھ آپ کے لیے عجوبہ ہے وہ خدا کے نزدیک آسان ہے۔ اگر نہیں تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے کس طرح پیدا ہو گئے ؟

افسر۔ مجھے معلوم نہیں۔ خیر چھوڑیے اس کو۔ یہ بتائیے کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

حضرت مسیح۔ ہندوستان سے۔

افسر۔ ہندوستان کے کس شہر سے ؟

حضرت مسیح۔ سری نگر کشمیر سے۔

افسر۔ آپ کے پاس زرِ نقد کس قدر ہے ؟

حضرت مسیح۔ میرے پاس کوئی روپیہ نہیں۔

افسر۔ پھر آپ روپے کے بغیر یہاں کیسے گذارہ کریں گے ؟

حضرت مسیح۔ میں کبھی اندیشۂ فردا نہیں کیا کرتا۔ اور کل کے لیے کچھ

بچاکر نہیں رکھتا۔

افسر۔ عجیب معاملہ ہے۔ ہم لوگ جو اس ملک میں رہتے ہیں سَو سال پہلے سے آئندہ کی فکر کرتے ہیں۔ اچھا اسے بھی چھوڑیئے اور یہ بتلائیے کہ آپ کی قومیت کیا ہے؟

حضرت مسیح۔ میں یہودی قوم سے ہوں۔

افسر۔ کیا آپ موسیٰ کی شریعت کے اس حصہ کو مانتے ہیں جس میں کثرتِ ازدواج کی اجازت دی گئی ہے؟

حضرت مسیح۔ یقیناً مانتا ہوں۔ جو شخص موسیٰ کی شریعت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کی بھی خلاف ورزی کرے گا اسے آسمانی بادشاہت میں حقیر سمجھا جائے گا۔

افسر۔ یہ آپ کے ہاتھ کیوں چھدے ہوئے ہیں؟

حضرت مسیح۔ میں ناانصافی اور ظلم سے صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔

افسر۔ آپ کا پیشہ کیا ہے؟

حضرت مسیح۔ میں خدا کے کلام کا منادی ہوں اور وہی کہتا ہوں جو مجھے خدا سے حکم ملتا ہے۔

افسر۔ کیا آپ کے پاس اس قسم کی سندات ہیں جن سے ثابت ہو کہ آپ باقاعدہ واعظ ہیں؟

حضرت مسیح۔ نہیں۔ نہ مجھے کسی سند کی ضرورت ہے۔ نہ میرے پاس کوئی سند ہے۔

افسر۔ اگر کبھی ضرورت آپڑے تو کیا آپ ملک کی خاطر جنگ میں حصہ لیں گے؟

حضرت مسیح ۔ میں جنگوں کے سخت خلاف ہوں ۔ میں تو صرف محبت کا پجاری ہوں ۔ میرا مذہب محبت ہے ۔

افسر ۔ کیا آپ شراب پینے کی اجازت دیں گے ؟

حضرت مسیح ۔ کیوں نہیں ۔ اگر ضرورت پیش آجائے تو میں دعوتوں وغیرہ کے موقعوں پر شراب مہیا کر کے معجزہ بھی دکھا سکتا ہوں ۔

فیصلہ

فیصلہ کیا جاتا ہے کہ مسمی یسوع کو امریکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔ کیونکہ :-

اول ۔ اس کے پاس روپیہ نہیں ۔

دوم ۔ یہ ایسے ملک سے آیا ہے جو مشہرہ ممالک سے خارج ہے ۔

سوم ۔ اس کا لباس غیر مہذب ہے ۔

چہارم ۔ اس کے ہاتھوں میں سوراخ ہیں (جو اس کے پہلے سزا یافتہ ہونے کا ثبوت ہو سکتے ہیں)

پنجم ۔ اس کے پاؤں ننگے ہیں (امریکہ میں ننگے پاؤں پھرنا نہایت خلاف تہذیب اور گنوارپن کی حرکت سمجھی جاتی ہے)

ششم ۔ یہ ملک کے لیے جنگ کرنے کے خلاف ہے ۔

ہفتم ۔ یہ حسب ضرورت شراب کشید کرنے کے حق میں ہے ۔ (اس وقت شراب کے خلاف تحریک امریکہ میں زوروں پر تھی)

ہشتم ۔ اس کے پاس کوئی سند یا سرٹیفکیٹ نہیں جس سے ثابت ہو کہ یہ باضابطہ واعظ ہے ۔

نہم ۔ اس کا اعتقاد ہے کہ موسیٰ کی شریعت کا وہ حصہ واجب العمل ہے جس

میں کثرتِ ازدواج کی اجازت دی گئی ہے۔ (یورپ اور امریکہ میں ایک وقت میں دو یا دو سے زیادہ بیویاں کرنا خلافِ قانون ہے۔)

یہ شخص ہمارے فیصلہ کے خلاف واشنگٹن آفس میں اپیل کر سکتا ہے۔

حضرت مسیح۔ میں کوئی اپیل یا مقدمہ کرنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ میرے جیسے شخص کو اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینا درست نہیں۔ تاہم بدی کا مقابلہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ اس لیے میں اپنے پاؤں کی گرد جھاڑتا ہوں اور اپنے دلکش دارالہجرت ہندوستان کو واپس جاتا ہوں[۱]

۸۰۔ زبردستی "حضرت مفتی محمد صادق" لکھنا پڑا

جن دنوں مفتی صاحب امریکہ میں تھے تو کٹک سے ایک دوست سید محمد حسن صاحب نے بہت اخلاص اور محبت کے ساتھ آپ کو ۷ شلنگ بطور نذر بذریعہ منی آرڈر بھیجے۔ اور پتہ میں نام کے ساتھ "حضرت مفتی محمد صادق" لکھا۔ مفتی صاحب نے دستخط کیے تو صرف "محمد صادق" تحریر کیا۔ اس پر پوسٹ ماسٹر نے وہ فارم واپس کر دیا۔ اور کہا کہ جب تک آپ اپنا پورا نام "حضرت مفتی محمد صادق" لکھ کر دستخط نہیں کریں گے اس وقت تک ہم آپ کو منی آرڈر کی رقم نہیں دے سکتے۔ مفتی صاحب نے ہر چند کہا کہ "حضرت" اور "مفتی" اضافی

---

[۱] حضرت مفتی صاحب کا یہ مضمون نہایت مقبول ہوا اور بڑی دلچسپی سے پڑھا گیا۔ خود امریکہ کے اخباروں نے اسے نقل کیا۔ مراکش کے عربی اخباروں میں اس کا عربی ترجمہ چھپا۔ ٹرکی کے اخباروں میں ترکی میں ترجمہ ہو کر شائع ہوا۔ غرض کافی شہرت اس کی ہوئی۔

زیرِ اہتمام حکیم عبداللطیف شہید پبلشر در مطبع ضیاء الاسلام قادیان طبع شد